

# کتابتِ حدیث

یعنی

حدیثوں کی ترتیب و تدوین کی تاریخ پر

ایک مختصر اور جامع مقالہ

از

مولانا الحاج سید منت احمد صاحب رحمانی

سجادہ نشین خاتقاہ رحمانی مونگیر

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد ملی

135239

قیمت مجلد \_\_\_\_\_ ایک روپیہ چار آنے

طبع دوم

محرم الحرام ۱۳۷۸ھ \_\_\_\_\_ جولائی ۱۹۵۸ء

مطبوعہ

الجمیۃ پریس ہلی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد میں نے رسالہ  
«کتابت حارثت» کو متعدد اور اکثر مقامات سے دیکھا حضرت مولف جناب  
مولانا منت اللہ صاحب (بلغہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ قصیٰ ما یتناہ ورزقہ القبول الرضا) نے  
جس عرق ریزی اور جہد و جہد سے اس رسالہ میں مضامین عالیہ اور افادات نادرہ  
کو جمع کیا ہے وہ مستوجب صد شکر و ثنا ہے۔

حضرت مولف موصوف نے بہت سے صحیح اور عمدہ مضامین وہ درج فرمائے  
ہیں جن سے بہت سے علماء زمانہ ناواقف ہیں۔ ان مضامین کا ملکہ نے ہمارے علوم  
میں بہت سا اضافہ کیا ہے۔ یہ رسالہ یقیناً اس قابل ہے کہ نہ صرف طلباء و مینیات بلکہ  
علماء کا بلین بھی اس کو سرمہ چشم بنائیں اور اس سے زیادہ سے زیادہ معلومات کا  
استفادہ کریں حضرت مولف سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ کو تالیف فرما کر اہل علوم دینیہ  
اور امت مرحومہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

جزاک اللہ خیر الجزاء فی الدارین آمین۔

نگہ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۱۳۷۰ھ

# حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ ارچوزہ وجیزہ یا رسالہ مختصرہ جو اس وقت آپ کے سامنے پیش ہو رہا ہے ناقابل تردید شہادتوں کی روشنی میں مخدوم زادہ افاق برادر عزیز محترم حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی سجادہ آرا خانقاہ رحمانیہ نے اس میں یہ دکھایا ہے کہ صحاح ستہ کی تدوین سے پہلے بھی ہر قرن اور ہر دار میں علاقہ تعامل و توارث اور روایت کی مستقل راہوں کے کتابت کے ذریعہ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اگلی نسلوں سے کچھلی نسلوں میں منتقل ہوتی رہی ہیں۔ مولانا سلمہ تعالیٰ وایدہ بروح منہ نے اس سلسلہ کے منتشر معلومات کو ٹرے سلیقہ کے ساتھ اس رسالہ میں جمع کر کے دین کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ دینی قیود سے نکل بھاگنے کی نئی راہ فتنہ انکار حدیث کے ذریعہ جو اس زمانہ میں کھولی گئی ہے۔ اس پر مولانا نے ایک ایسا آہنی دروازہ چڑھا دیا ہے کہ شاید اس کے کھولنے کی جرأت فتنہ پردازوں میں آئندہ پیدا نہ ہوگی۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ آئندہ بھی مولانا مریح کا قلم اسی نوعیت کے سنجیدہ کھوس علمی خدمات سے امت مرحومہ کی بنگیری کرتا رہے گا۔ اور اپنے پارہ بزرگوار بانی ندوۃ العلماء قدوۃ الانام السید الامام مولانا شاہ محمد علی قدس اللہ سرہ العزیز کی قائم کی ہوئی خانقاہ رحمانیہ کی خصوصیت کہ باطن کے ساتھ ساتھ ظاہر اور روح کے ساتھ ساتھ اسلام کے جسم پر کبھی ہمیشہ نظر رکھی گئی، مولانا منت اللہ اپنی اس موروثی خصوصیت کو انشاء اللہ صرف باقی ہی نہیں رکھیں گے بلکہ زیادہ سے زیادہ اجاگر کرتے چلے جائیں گے۔ وَاللّٰهُ وَاٰلِہٖٓ وَسَلَّمَ وَالتَّوْفِیْق۔

مناظر احسن گیلانی  
۲ جنوری ۱۹۵۱ء

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میرے ایک رفیق قدیم مولوی اشفاق حسین صاحب مظفر پوری نے چند سوالات لکھ کر بھیجے تھے جس میں سے ایک کا تعلق فنِ حدیث سے تھا۔ موصوف کی گفتگو کسی منکرِ حدیث سے ہوئی تھی۔ اسی گفتگو سے متاثر ہو کر انھوں نے استفسار کیا، سوال کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احادیث کی کتابت نہیں ہوتی۔ نہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثیں لکھوائیں۔ اور نہ صحابہ کرام نے قلمبند کیں۔ بلکہ حدیثوں کے قلمبند کرنے کا خیال ڈیڑھ صدی کے بعد پیدا ہوا، یہ وہ زمانہ تھا کہ احادیث کے براہِ راست سننے والے صحابہ کرام بھی اٹھ چکے تھے۔ اور ان میں سے ایک بھی موجود نہ تھا۔ اس کے علاوہ حدیث کی کتابت کو خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع بھی فرما دیا تھا، اس لئے بھی صحابہ کرام نے احادیث کو قلمبند کرنے سے پرہیز کیا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں سینکڑوں برس بعد جب حدیث کی کتابیں عالمِ وجود میں آئیں تو ان پر کس طرح اعتبار کر لیا جاتے، وہ کتابیں تو محض سُنی سنائی باتوں کا مجموعہ ہیں۔ اس لئے ان کو قابلِ اعتماد سمجھنا کسی طرح درست نہیں۔

یہی سوال زیرِ نظر مقالہ کا محرک ہے، مقالہ میں منکرینِ حدیث کے تمام سوالوں سے بحث نہیں کی گئی ہے اور نہ فنِ حدیث کے لائق حجت اور قابلِ اعتماد ہونے کے سارے دلائل بیان کئے گئے ہیں، بلکہ صرف ان ہی باتوں سے بحث کی گئی ہے جن کا ذکر سوال میں ہے۔

ضمنی طریقہ پر ان حضرات کے مختصر حالات اور ان کتابوں کا مختصر تعارف حاشیہ پر کرایا گیا ہے جن کا ذکر اس مقالہ میں آیا ہے اور یہ اس لئے کیا گیا کہ مقالہ میں حدیث کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کی اہمیت واضح ہو سکے۔ اور کتابوں کے مصنفین کا حال سامنے رکھ کر ان کی تصنیف پر سامنے قائم کی جاسکے، اور ناظرین اندازہ کر سکیں کہ فن حدیث جن لوگوں کے ہاتھوں ترتیب پایا ہے، یا علم حدیث کی کتابیں جن لوگوں نے ترتیب دی ہیں ان کا مقام، علم، فضل، تقویٰ اور دیانت میں کس قدر اونچا ہے، اور پھر ان کے ہم عصروں نے ان کے متعلق کن خیالات اور جذبات کا اظہار کیا ہے، اس لئے کہ ایک انسان کے کمال کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ معاصرین بھی اس کے فضل کا اعتراف کریں۔

اسی طرح مقالہ میں جن صحابہ کرام یا تابعین وغیرہ کی روایتوں سے استشہاد کیا گیا ہے ان کے مختصر حالات بھی حاشیہ پر لکھ دئے گئے ہیں تاکہ یہ محسوس ہو سکے کہ یہ روایتیں اور بیانات ایسے لوگوں کے نہیں ہیں، جنہیں آسانی سے نظر انداز کر دیا جاتے، بلکہ ان میں سے ہر شخص اسلامی تاریخ میں اپنی جگہ رکھتا ہے اگر ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو تاریخ اسلام سے ایک اہم اور قیمتی صفحہ علیحدہ ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ ان حضرات کے مختصر حالات حاشیہ پر لکھنے سے میرا ایک اہم مقصد ناظرین کے ذہن کو اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ جن حضرات کی روایتوں اور بیانات کے مجموعہ کا نام فن حدیث ہے ان کے حالات زندگی تفصیل کے ساتھ آج بھی موجود ہیں جس کا دل چاہے دیکھے اور یہ فیصلہ کرے کہ ایسے باکمال اصحاب کے بیانات اور روایتیں قابل اعتماد ہیں یا نہیں جب کہ ہم روزانہ زندگی کے تمام معاملات میں کسی ایک شخص کی خبر اور بیان پر اہم سے اہم فیصلے اور اقدامات کرتے ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں، جن کی زندگی بھول ہے

ایسے حضرات بھی ہوتے ہیں جن کے حالات کا ہمیں علم ہوتا ہے، مگر بہت تھوڑا۔ اور انگلیوں پر گنے جانے والے ایسے حضرات بھی ہوتے ہیں، جن کی دیانت اور صداقت کے ہم معترف ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ روایت حدیث کے بیانات اور روایتوں کو جن کی صداقت و راستبازی اور فضل و کمال، معاصرین اور معاندین کے نزدیک بھی مسلم ہے، صرف یہ کہہ کر ٹھکرا دیا جائے کہ یہ خبر آحاد ہے اور یہ صرف ایک شخص کا بیان ہے، جس پر کسی فیصلہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی،

بہر حال یہ مقالہ ہیہ ناظرین ہے، اور حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر خدمت کو شرف قبول عطا فرمائے، اور ہمیں اپنے رسول سے سچی محبت دے۔ اور ہمیشہ ان کے دامن سے وابستہ رکھے کہ محمد رسول اللہ کا دامن چھوڑ دینے کے بعد انسان کو کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

بِئْتِ اللّٰہِ رَحْمٰنِی

خانقاہ مونگیر

۱۶ نومبر ۱۹۵۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَّمَ عَلَىٰ عِبَادِهِ الذِّیْنَ اصْطَفٰی

اما بعد :- علم حدیث کچھ عرصہ سے مسلمانوں کے ایک طبقہ میں موضوع بحث بنا ہوا ہے جہاں تک میں نے سمجھا ہے منکرین حدیث میں متعدد قسم کے لوگ شریک ہیں۔ کچھ حضرات تو وہ ہیں جنہیں رسول کی ضرورت اور منصب رسالت کی اہمیت کا احساس بھی نہیں، نہ انہیں اس ناگزیر تعلق اور رشتہ کی خبر ہے، جو ایک امتی کو اپنے رسول سے ہوتا ہے یا ہونا چاہئے، اس لئے ان حضرات کے خیال میں تو رسول کے حالات و واقعات، پسند و ناصح، فیصلے اور فتوے، تلاوت آیات، ترکیہ نفوس، تعلیم کا موجود رہنا یا نہ رہنا برابر ہے، ان کے خیال میں تو اگر رسول کی زندگی کا ایک حرف بھی ہمارے پاس نہ ہو تو ہمارے اسلام پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان حضرات نے تو رسول کی رسالت کو وقتی، اور اس کی زندگی کو مابعد کی نسلیوں کے لئے غیر مؤثر بنا کر اپنے آپ کو شریعت کی پابندیوں سے آزاد کر لیا ہے، اور کھانا کتاب اللہ کا نعرہ لگا کر اسلام کا ایسا تصور اور مسلمانوں کا ایسا بھانپنا تیار کیا ہے جس کا سراغ نہ کتاب اللہ میں ملتا ہے نہ قرآن اولیٰ کی تاریخ میں۔

دوسرا گروہ وہ ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو وقتی اور آپ کی زندگی کے حالات و واقعات کو غیر مؤثر کہتے ہوئے، سچکچاتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حالات اور احکام مسلمانوں تک پہنچے ہیں ان کو مختلف جیلوں اور بہانوں سے ناقابل اعتبار قرار دینا چاہتا ہے، فن حدیث اور حدیث کی موجودہ کتابوں کو اعتراضات کے ذریعہ اس قدر مجروح کر دینا چاہتا ہے کہ یہ فن اور اسکی موجودہ کتابیں لائق استناد ہی باقی نہ رہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر حدیث کا فن لائق اعتبار نہ رہے اور حدیث کی کتابیں، چھوٹے قصوں اور من گھڑت کہانیوں کا مجموعہ قرار دی جاتیں تو عملی طور پر نتیجہ یہی نکلے گا جو پہلے گروہ نے نکالا تھا، یعنی رسول کی رسالت اگرچہ وقتی نہیں، بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔ اور



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، مابعد کی نسلوں پر بھی وہی اثر ڈالتی ہے جو اس نے رسول کے زمانہ کے لوگوں پر ڈالا۔ اور آج ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم اسی طرح واجب الاتباع ہے جس طرح صحابہ کرام کے لئے تھا۔ لیکن چونکہ آپ کے حالات و احکام ہم تک صحیح طریقہ پر نہیں پہنچے ہیں، اور جو کچھ بھی حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ وہ رطب و ریابس کا ایسا مجموعہ ہے جس کی حیثیت قصہ اور کہانی سے زیادہ نہیں اس لئے ہمارے پاس نبی کے احکام اور رسول کا اسوہ ہے کہاں؟ جس پر عمل کریں۔ اور جس کی رہنمائی میں اپنی زندگی کے مسائل کو حل کریں۔ اس لئے ہر مسلمان آزاد ہے اللہ نے اپنی کتاب کبھی مئی اور سمجھنے کے لئے عقل دے دی۔ کتاب اللہ اور عقل کے درمیان، کتاب کی تعلیم دینے والے رسول کی زندگی تھی، وہ اتفاق سے صحیح طریقہ پر ہم تک پہنچ نہ سکی۔ اس لئے جو عقل میں آتے وہ کہو اور جو دل چاہے وہ کرو۔

خلاصہ یہ کہ کھڑے چکر کے بعد ہی مگر دوسرا گروہ بھی عملاً اسی جگہ پہنچا جہاں وہ پہلا گروہ پہنچا تھا۔ مگر ابھی بہر حال گمراہی ہے، خواہ وہ سیدھے راستہ سے آتے یا چکر کاٹ کر آتے۔ اس مقالہ کا تعلق پہلے گروہ سے نہیں بلکہ دوسرے گروہ سے ہے جس کے خیال میں ہر چیز کی صحت کے لئے تحریر و کتابت ضروری ہے اور کسی چیز کے غلط ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ مکتوب اور تحریر شدہ نہیں۔

بہر حال مجھ سے پوچھا گیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو صرف قرآن مجید کی کتابت ہوئی۔ اور چونکہ حدیث کی کتابت کو خود حضرت رسالت مآب نے منع فرمایا، اس لئے حدیث کا سرمایہ قیام کتابت میں نہ آسکا صرف زبانی روایتوں پر مدار رہا۔ جب صورت حال یہ تھی تو ظاہر ہے کہ صرف سنی سنائی باتوں سے کتابیں مرتب کر دی گئی ہوں گی اس لئے میٹین اپنی کتابوں میں بعض حدیثوں کو صحیح اور بعض کو ضعیف کہتے ہیں، تو جن کتابوں کا مدار رطب و ریابس کے ذخیرہ پر ہو انہیں صحیح اور ضعیف دونوں قسم کی حدیثیں ہوں، ایسی کتابیں کیونکر لائق اعتبار اور قابل استناد

سمجھی جاسکتی ہیں۔

اس قسم کی باتیں یہی لوگ کہہ سکتے ہیں جنہوں نے حدیث کی تاریخ کا مطالعہ ہی نہیں کیا اور تدرین حدیث کے موضوع تک سے نا آشنا ہیں۔ کم از کم وہ رسائل و مضامین ہی اگر دیکھ لیتے جائیں جو تدرین حدیث پر اردو زبان میں شائع ہو چکے ہیں، تو نہ پھر ایسی بات کہی جاتے، اور نہ اس قسم کی رائے قائم کی جاتے۔

یہ ایک تاریخی جھوٹ ہے کہ حدیث کی کتابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں ہوئی، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے احادیث کو قلمبند فرمایا۔ بلکہ صرف حافظہ میں محفوظ رکھا۔ اور یہ ممکن بھی نہ تھا۔ کیوں کہ خود حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم احادیث کے نشر و اشاعت کی ترغیب فرمایا کرتے تھے۔ تو پھر کیسے ہو سکتا تھا کہ صحابہ کرام اس کے پھیلانے اور دوسروں تک پہنچانے کا ہر ممکن ذریعہ اختیار نہ فرماتے۔

حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ جو لوگ حاضر ہیں وہ غیر حاضر لوگوں کو میری حدیثیں پہنچا دیں۔

لازم ہے کہ حاضر غائب کو پہنچا دے اسلئے کہ بعض وہ لوگ جن تک (میرا کلام) پہنچایا جائے، ہو سکتا ہے وہ ان لوگوں سے اس حدیث کے زیادہ محافظ ہوں جنہوں نے مجھ سے سنا ہے۔

الایببلغ الشاهد الغائب فلعلم من

یبلغه ان یكون ادعی له من بعض سمعته

574

(بخاری شریف جلد ۲ ص ۵۷۴)

احادیث کی نشر و اشاعت کی خاطر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی باتوں کو صحابہ کرام کے سامنے دو دو اور تین تین بار ارشاد فرماتے، تاکہ صحابہ کرام کے ذہن نشین ہو جائے۔ اور انہیں اس کی اشاعت اور نقل میں سہولت ہو

عن انس ان النبئی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا | حضرت انس سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تکلم بکامة اعادها ثلثا حتى تفهم عنده | جب کچھ بیان فرماتے تو ایک حکم کو تین دفعہ دہراتے  
(بخاری جلد ۱۸ باب من اعاد الحیث ثلثا لیفہم عنہ) | یہاں تک کہ سمجھ میں آجاتے۔

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی کی روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد عبدالقیس آیا تو آپ نے اس کے سامنے نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بیان فرماتے اور فرمایا۔

احفظوا واخبروا | اسے یاد کرو، اور جنہیں سمجھے چھوڑ کر آتے ہو  
من وراءکم | ان کو اس کی خبر کر دو۔

۱۔ اس کتاب کا اصل نام ہے الجامع الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سنتہ و آیاتہ، اس کے جامع شیخ الاسلام الحافظ، امیر المؤمنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد ابن اسماعیل البخاری ہیں۔ امام بخاری کی ولادت روز جمعہ ماہ شوال ۲۵۶ھ میں ہوئی۔ امام بخاری کو بچپن ہی سے حدیث کے ساتھ ایک تعلق تھا یہ ۲۰۵ھ سے سماعت حدیث شروع کی، اور بچپن ہی میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی تصانیف کو حفظ کر لیا پس مدینہ میں پائی۔ بخاری میں محمد بن سلام وغیرہ سے بلخ میں مکی بن ابراہیم سے بغداد میں عفان سے مکہ مکرمہ میں المقری بصرہ میں ابو عاصم سے کوفہ میں عبداللہ بن موسیٰ رح شام میں ابی المغیرہ رح عقلمان میں آدم رح حمص میں ابوالیمان رح دمشق میں ابوسہر رح سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد ۲ ص ۱۳۴) اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر گئے اور حدیث کی سماعت کی۔ خود امام بخاری کا بیان ہے کہ یہ کتاب چھ لاکھ حدیثوں کا انتخاب ہے اور سو لہ سال میں یہ خدمت انجام کی گئی، یہ بھی ان ہی کا بیان ہے کہ ہر حدیث درج کتاب کرنے سے پہلے میں نے غسل کیا اور درگت نماز پڑھی، اس التزام کے ساتھ ہر ایک حدیث کو لکھا ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۲ پر)

۲۔ اس کتاب کا اصل نام ہے الجامع الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سنتہ و آیاتہ، اس کے جامع شیخ الاسلام الحافظ، امیر المؤمنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد ابن اسماعیل البخاری ہیں۔ امام بخاری کی ولادت روز جمعہ ماہ شوال ۲۵۶ھ میں ہوئی۔ امام بخاری کو بچپن ہی سے حدیث کے ساتھ ایک تعلق تھا یہ ۲۰۵ھ سے سماعت حدیث شروع کی، اور بچپن ہی میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی تصانیف کو حفظ کر لیا پس مدینہ میں پائی۔ بخاری میں محمد بن سلام وغیرہ سے بلخ میں مکی بن ابراہیم سے بغداد میں عفان سے مکہ مکرمہ میں المقری بصرہ میں ابو عاصم سے کوفہ میں عبداللہ بن موسیٰ رح شام میں ابی المغیرہ رح عقلمان میں آدم رح حمص میں ابوالیمان رح دمشق میں ابوسہر رح سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد ۲ ص ۱۳۴) اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر گئے اور حدیث کی سماعت کی۔ خود امام بخاری کا بیان ہے کہ یہ کتاب چھ لاکھ حدیثوں کا انتخاب ہے اور سو لہ سال میں یہ خدمت انجام کی گئی، یہ بھی ان ہی کا بیان ہے کہ ہر حدیث درج کتاب کرنے سے پہلے میں نے غسل کیا اور درگت نماز پڑھی، اس التزام کے ساتھ ہر ایک حدیث کو لکھا ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۲ پر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے واسطے دعا فرمائی جو حدیث کو سنیں اور اچھی طرح یاد کر لیں۔ اور پھر بعینہ دوسروں تک پہنچادیں۔

نصر اللہ عبداً سمع مقالتي اللہ تعالیٰ اس بندہ کو خوش رکھے جس نے میری باتوں  
فحفظها وروعاها وادّاها کو سنا اور یاد کر کے محفوظ رکھا اور جس طرح سنا تھا  
کھا سمع (مشکوٰۃ المصابیح ۲۸۵) اسی طرح دوسروں کے سامنے ادا کر دیا۔

زنجبیل حاشیہ صفحہ ۱۱) اور اس کتاب کے مسودہ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اربعہ کے درمیان بیٹھ کر صاف کیا ہے اور  
میں نے اس میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی بیج نہیں کی جس کی صحت پر مجھے کوئی پر ابھروسہ نہ ہو اور پھر فرماتے ہیں جعلت لے حجة  
فی ما بینی و بین اللہ۔ میں نے اس کتاب کو اپنے اور اپنے پیروں کے درمیان حجت بنا پایا ہے (المحطہ) یہ اپنی نوعیت کی  
دنیا میں سب سے پہلی تصنیف ہے، جو فنِ حدیث میں کی گئی۔ امام بخاری نے جن شرائط کو ملحوظ رکھنے ہوئے اپنی کتاب میں حدیث  
کا استخراج کیا ہے۔ وہ روایت کی قوت اور حدیث کی صحت کے معیار کو اپنا کرتے ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں۔ واما حجانہ  
من حیث الاتصال فلا مشروط ان یکون الراوی قد ثبت له لقاء من روی عنہ و لہ ہرۃ و کتفی  
مسلم بمطلق المعاصرة۔۔۔۔۔ یہ اور اسی قسم کے خشک امتیازات اور خصوصیات کے باعث جمہور علماء کا فیصلہ  
ہے جس کو امام نووی اس طرح لکھتے ہیں، کہ اتفق العلماء علی ان صح الکتب بعد القران الکریم الصحیحان  
صحیح البخاری صحیح مسلم۔۔۔۔۔ تمام علمائے امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ صحیح  
کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہے۔

صحیح بخاری کو براہِ راست امام بخاریؒ سے نوے ہزار اشخاص نے پڑھا۔ سنا اور املا کیا۔ اور اس وقت سے آج تک  
ہر دور میں اس کے پڑھنے اور سماعت و روایت کرنے والوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ بڑھتی رہی۔ اور آج بھی اس کے پڑھنے  
والوں اور راویوں کی تعداد عالمِ اسلامی میں لاکھوں سے کم نہ ہوگی۔ اور رقم الحدیث کو بھی (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳ پر)

ہر وہ شخص جو صحابہ کرامؓ کے حالات سے باخبر ہے، وہ سمجھ سکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ترغیبات اور تاکیدیں احکام کے بعد احادیث کی اشاعت اور حفاظت میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہوگی۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کی حفاظت اور اس کی نشر و اشاعت میں سہولت کی خاطر حدیث کے لکھنے کا بھی حکم فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کو مقید کرو، حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ مقید کرنے کا کیا مطلب ہے۔ ارشاد ہوا کہ لکھنا۔  
(مجمع الن وائد ص ۱۵۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) صحیح بخاری کی سماعت و اجازت کا شرف شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ سے حاصل ہے۔ امام بخاریؒ نے محض فن حدیث کی عزت اور حرمت کی خاطر جلاطینی اختیار کی۔ اور ایک گاؤں خرتنگ میں ۲۵ھ میں وصال فرمایا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ ۱۲ دہستان المیثین)

۱۔ امام محی السنہ ابو محمد الحسین البغوی نے حدیث میں ایک کتاب مصابیح لکھی تھی، لیکن انہوں نے حدیث کا صرف متن لکھ دیا۔ نہ کتاب کا حوالہ دیا۔ نہ راوی کا نام لکھا۔ اور نہ ابواب و فصول قائم کیں، اس لئے اس سے استفادہ مشکل تھا۔ شیخ دلی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ نے اس مصابیح کے تہج پر مشکوٰۃ لکھی۔ اس میں ابواب و فصول بھی فقہی طریقہ پر مرتب کئے۔ اور ہر ایک حدیث کو اسی مقام پر اور اسی باب و فصل میں درج کیا جس کے وہ مناسب تھی۔ ساتھ ہی ہر ایک حدیث کے اصل راوی کا نام اور جس کتاب سے وہ حدیث لی گئی ہے اس کا نام بھی لکھ دیا جس کے بعد پورے سلسلہ رواۃ کو بیان کر کے ضرورت باقی نہ رہی۔ کیونکہ ماخذ میں ان راویوں کا نام موجود ہے اسی لئے صاحب مشکوٰۃ نے لکھا ہے کہ وانی اذا نسبت الحدیث الیہم کافی اسندت الی البنی صلی اللہ علیہ وسلم لا تصدقوا عنہ و اغفوناعنہ۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۳ پر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے حدیثوں کے یاد نہ رہنے کی شکایت کی تو ارشاد ہوا اپنے ہاتھ سے مدد لو یعنی لکھ لیا کرو۔ (مجمع الزوائد ص ۱۵۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے ہاتھ سے کام لینے یعنی لکھنے کا حکم دیا۔ (کنز العمال جلد ۵ ص ۲۲۶)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) مشکوٰۃ اپنے اختصار اور حسن ترتیب کی وجہ سے بہت مقبول ہوئی۔ اور آج بھی تمام مدارس عربیہ کے نصاب میں نکل ہے۔ صاحب مشکوٰۃ اپنے دور کے مشہور سیوخ اور زاہدوں میں تھے اور ۳۴۷ھ میں مشکوٰۃ کی ترتیب فریغت پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔۔۔۔۔ یہ حدیث کی مشہور کتاب ہے۔ اس کے جامع امام نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان اہلبیشی ہیں۔ اس کتاب میں مسند امام احمد بن حنبل مسند امام براز مسند ابی یعلیٰ اور معاجم ثلثہ طبرانی سے جرح و تعدیل رواد اور صحت و سقم احادیث کے ساتھ ان حدیثوں کو جمع کیا ہے۔ جو صحیح ستہ میں نہیں ہیں۔ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ صاحب امتحان النبیام نے لکھا ہے کہ ”سرما یہ تحقیق احادیث برائے متاخرین اہل حدیث ہیں کتاب است“ امام نور الدین کا وصال ۵۸۵ھ میں ہوا۔

۱۵ جابر بن عبد اللہ الانصاری مشہور صحابی ہیں۔ ابو عبد اللہ کنیت تھی، غزوہ خندق اور بیعت رضوان میں شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے واسطے لیلۃ البعیر میں ۲۵ مرتبہ دعائے مغفرت کی بہت بڑے فقیہ تھے۔ اپنے زمانے میں مدینہ منورہ کے مفتی تھے۔ ۹۴ برس عمر پائی اور ۳۸۷ھ میں وفات ہوئی۔ رضی اللہ عنہ

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۷)

۵۲ شیخ عبد الرحمن السیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے حدیث میں ایک کتاب جمع الجوامع کے نام سے لکھی تھی جس میں انہوں نے اپنے خیال میں تمام احادیث کا احاطہ کرنا چاہا تھا۔

اس لئے کتاب ضخیم اور کچھ اس انداز کی ہو گئی کہ اس سے استفادہ مشکل تھا۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۵ پر)

جس حدیث کی اشاعت و تسلیم کے لئے دربار رسالت سے اس قدر ترغیب اور تاکید کی جاتی ہو اور جس کی کتابت کا صاف اور کھلا حکم دیا گیا ہو۔ تو پھر کس طرح ممکن تھا کہ شمع نبوت کے پروانے اس سے غفلت کرتے، اور اس کی اشاعت و حفاظت میں اپنی امکانی کوشش نہ صرف کرتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی حفاظت و اشاعت کے لئے ہر وہ ممکن طریقہ اختیار کیا جو ایک انسانی طاقت کر سکتی ہے۔ اور جس سے زیادہ کرنا کم از کم اُس دور میں ممکن نہ تھا۔ صحابہ کرامؓ اگر حدیث کی حفاظت کا مددِ حافظہ کی قوت پر رکھتے تو یہی کافی کھتا کیونکہ عرب کا حافظہ ضرب المثل تھا جس کی مثال دنیا کی کوئی قوم آج تک پیش نہیں کر سکی اور صحابہ کرامؓ و صحابہ کرامؓ رحمہم اللہ کی قوت یادداشت کے متعلق ایسے ایسے واقعات مستند کتابوں میں موجود ہیں، کہ خراب صحت اور کمزور حافظہ والی موجودہ دنیا ان واقعات پر شاید یقین بھی نہ کرے لیکن اس کے باوجود صحابہ کرامؓ نے احادیث کو خود قلمبند کیا۔ اور کتابت حدیث کے لئے وصیتیں کیں حضرت انسؓ نے اپنے بچوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یا بنی قیّد و اھذ العلم —  
 اے میرے بچو اس علم کو لکھ لو۔ (دارمی ص ۶۸)

بہر حال یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، کہ حدیث کا بہت بڑا حصہ سرکارِ دین عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام کے ہاتھوں مرتب ہو چکا تھا۔ اور حدیث

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) اس لئے علامہ علاء الدین علی الہندی نے جو علی متقی کے نام سے مشہور ہیں۔ جمع الجوامع کی از سر نو ترتیب کی۔ اور اپنی مرتبہ کتاب کا نام کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال رکھا۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۶ پر)

کے اس ذخیرہ کو جو خود حدیث کے براہ راست سننے والے صحابہ کرام کے ہاتھوں قلمبند ہوا۔ اگر جمع کیا جائے، تو اس کی مقدار ان احادیث سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔ جو آج مستند اور مطبوعہ کتابوں میں موجود ہیں جن کو ہم صحاح ستہ کے نام سے جانتے ہیں۔

احادیث کا جو ذخیرہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں قلمبند ہوا، اس کے تین حصے کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) احادیث کا وہ ذخیرہ جو خود حضرت رسالت کے حکم سے قلمبند کیا گیا۔

(۲) وہ ذخیرہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قلمبند کیا اور پھر دربار رسالت میں بغرض تصحیح پیش کیا اور آپ نے سننے کے بعد اس کی تصدیق کی اور توثیق فرمائی۔

(۳) وہ ذخیرہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود زبان مبارک سے سن کر یا صحابہ سے پوچھ کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا آپ کے بعد قلمبند کیا۔ اب ان تینوں حصوں کی کھوڑی تفصیل ذیل میں لکھی جاتی ہے۔ سب سے پہلے احادیث کے پہلے اور دوسرے حصے کو لیجئے۔

عبداللہ ابن حکیم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر ہمارے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) علی متقی رح کتاب کی ترتیب سے ۹۵۷ھ میں فارغ ہوئے۔ اور

۲ جمادی الثانی ۹۷۵ھ میں وصال ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ

۱۵ عبداللہ ابن حکیم الجہنی ثم الکوفی تابعی ہیں۔ قبیلہ جہینہ سے ان کا تعلق ہے۔ کونہ میں بودرباش اختیار کرنی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۷ پر)



قبیلہ جہنمیہ کے پاس پہنچی جس میں مختلف احادیث تھیں۔ اور یہ حدیث بھی تھی، کہ دراجانوروں کی کھال اور پٹھے بغیر پکاتے ہوئے کام میں نہ لاؤ۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۲۰۶)

جناب نبی کریم صلعم نے ایک تحریر لکھوا کر عمر بن جزم کے ذریعہ اہل یمن کے

(رقبہ حاشیہ صفحہ ۱۶) حدیث کی روایت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا لیکن دیکھنا ثابت نہیں۔ حجاج بن یوسف کے دور حکومت میں انتقال ہوا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۳۲۲)

۱۔ جامع کبیر ترمذی کے مولف الامام الحافظ ابو عیسیٰ محمد بن موسیٰ الترمذی ہیں۔ امام ترمذی حدیث کے مشہور حافظ اور ان آئمہ میں ہیں جن کی علم حدیث میں اتباع کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حافظ بے نظیر عطا فرمایا تھا۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن ان کی قوت حافظہ کے ایسے واقعات تاریخوں میں موجود ہیں کہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے صرف ایک مرتبہ سن کر چالیس چالیس حدیثیں یاد ہو جایا کرتی تھیں۔ اور ان کو زیانی دہرا دیا کرتے تھے۔ زہد تقویٰ میں بھی اپنی نظیر آپ تھے۔ خوف خدا سے ساہلوں گریہ و زاری کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آنکھیں جاتی رہیں۔ ترمذی، امام بخاری کے شاگرد درشد ہیں۔ امام مسلم کو ابو داؤد سے بھی سماعت حدیث کی ہے۔ اور طلب علم میں حجاز، خراسان، بصرہ، کوفہ رہے۔ اور واسط وغیرہ کا سفر کیا ہے۔

لوگوں کا خیال ہے کہ امام بخاری نے علم حفظ اور زہد و تقویٰ میں امام ترمذی جیسا کوئی دوسرا جانشین نہیں چھوڑا۔ خود امام بخاری نے صحیح بخاری کے علاوہ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۸ پر)

پاس بھی تھی۔ اس تحریر میں فرائض، سنن اور خوں بہا کے متعلق مسائل تھے۔

(شرح معانی الآثار طحاوی جلد ۲ ص ۴۱۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مشہور خطبہ جو آپ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا تھا۔ اس کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابو شاہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) اپنی دوسری کتابوں میں امام ترمذی سے روایت کی ہے۔ جامع

کبیر ترمذی صحاح ستہ میں تیسرے نمبر پر شمار کی جاتی ہے۔ بستان الحدیث میں حضرت

شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ "اِس جامع بہترین کتب است بلکہ بعضے وجوہ

وحیثیات از جمیع کتب حدیث خوب تر واقع شدہ، اول از جہت ترتیب و عدم تکرار

دوم ذکر مذاہب فقہا و جوہ استدلال ہر ایک از اہل مذہب۔ سوم بیان انواع حدیث

از صحیح و حسن و ضعیف و غریب و معل و معلول۔ چہارم بیان اسمائے رواد و القاب کنیت ہائے

آہا و دیگر فوائد متعلقہ بعلم رجال"

خود امام ترمذی کا بیان ہے کہ میں نے اس کتاب کو علمائے عراق، حجاز و خراسان

کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے بہت زیادہ پسند کیا اور فرمانے لگے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو

گویا اس گھر میں رسول ہے جو گفتگو کرتا ہے۔ (اتحاف النبلا ص ۶)

امام ترمذی ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ

۱ شرح معانی الآثار کے مصنف امام ابو جعفر احمد بن محمد المصری الطحاوی ہیں، طحا، مصر کے ایک بہت

کا نام ہے۔ ۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے، ہارون بن سعید اہلی، (باقی حاشیہ صفحہ ۱۹ پر)

نے عرض کیا کہ یہ خطبہ میرے لئے لکھو اور یا جاتے حضورؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ خطبہ ان کو لکھ کر دیا جاتے۔ چنانچہ خطبہ لکھا گیا اور حضرت ابو شاہ کے حوالہ کیا گیا۔ (ابوداؤد جلد ثالث باب کتابتہ العلم ص ۳۵۷)

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی دفعہ سننے کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) یونس بن عبدالاعلیٰ و محمد بن عبدالحکم وغیرہ اور ابن دہریہ کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ ابتداً شافعی تھے۔ اور امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد ابراہیم مزنی کے حلقہ درس میں شریک تھے۔ ایک مرتبہ امام مزنی کو طحاویؒ پر غصہ آگیا۔ اور قسم کھا کر کہا کہ ”تم عنی ہو، تم سے کچھ نہ ہو سکے گا“ طحاویؒ کو ناگوار ہوا، اور ان کا حلقہ درس چھوڑ کر شیخ ابو جعفر احمد بن عمران حنفی کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے، اور فقہ و حدیث میں پوری ہارت پیدا کی، اور اپنے وقت کے امام شمار کئے گئے۔ جب امام طحاوی نے اپنی کتاب مکمل کر لی، تو کہا کہ اگر امام مزنی زندہ ہوتے تو انھیں اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑتا۔ ابو یعلیٰ خلیلی نے پوچھا کہ آپ نے امام مزنی کا مذہب کیوں ترک کر دیا۔ جواب دیا کہ میں نے دیکھا کہ امام مزنی کتب حنفی کا مطالعہ بہت زیادہ کرتے تھے۔

امام طحاوی نے خصوصاً فقہ حنفی پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جو ان کے علم و فضل کی آئینہ دار ہیں۔ مصر میں ۳۲۱ھ میں وفات پائی، رحمۃ اللہ علیہ

صحابہ کرام کے ذہن میں خطبہ محفوظ ہو گیا تھا۔ جب ہی تو بے تکلف لکھ کر حوالہ کر دیا گیا۔

حضرت وائل ابن حجر حضرت موت کے شہزادوں میں تھے۔ مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان ہوتے اور کچھ دنوں خدمت میں حاضر رہے۔ جب گھر واپس جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیفہ لکھوا کر ان کے سپرد کیا۔ جس میں نماز، روزہ، شراب، سود وغیرہ کے احکام تھے۔  
(طبرانی صغیر ص ۲۲۱ و ۲۲۲)

۱۔ یمن کے شاہی خاندان کے ایک فرد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور نے بڑی عزت سے اتارا۔ ممبر پر خطبہ دینے کے لئے تشریف لے گئے۔ تو حضرت وائل کو بھی ساتھ ہی ممبر پر جگہ دی۔ اور صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ وائل بن حجر قوم کے سرزاد ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں تمہارے پاس آتے ہیں۔ آنحضرت نے انہیں جاگیریں دیں اور ایک عہد نامہ لکھوا کر حوالہ کیا۔ یہ عہد نامہ بھی حدیث کا ایک کتابی ثبوت ہے۔

بعد میں حضرت وائل نے کوفہ میں قیام کر لیا تھا۔ آنحضرتؐ سے حدیث کی روایت کی ہے، حضرت معاویہؓ کے عہد ولایت میں وفات پائی، رضی اللہ عنہ۔  
(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۰۹) حضرت وائل کی مرویات کی مجموعی تعداد (۷۱) ہے۔  
(فتاویٰ عزیز جلد ۲ ص ۵۲)

۲۔ معجم الصغیر طبرانی اس کے مصنف الامام الحافظ ابوالقاسم (باقی حاشیہ صفحہ ۲۱ پر)

دارمی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کو ایک اور صحیفہ لکھوا کر بھیجا تھا۔ جس میں مختلف قسم کے احکام تھے، دارمی کے الفاظ یہ ہیں۔

عندہ من بارزاً

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی اهل الیمن  
ان لا یمس القرآن الا طاهرًا ولا یتلاق قبل ملائکة ولا  
عتاق حتی یتباع۔ (دارمی ص ۲۹۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی ہیں۔ طبریہ شام کے ایک گاؤں کا نام ہے۔  
سنہ ۶۶۰ء مہ صفر میں پیدا ہوئے، اور تیرہ برس کی عمر سے طلب علم شروع کی۔ اور اس سلسلہ  
میں شام، حجاز، یمن، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، اصفہان، جزیرہ اور دوسرے علمی مرکزوں کا سفر  
کیا۔ اور ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے استفادہ کیا۔ امام نسائی کے خاص شاگردوں میں ہیں  
علم حدیث کی طلب میں بڑی محنتیں کیں اور تکلیفیں اٹھائیں تیس برس تک چٹائی پر سوتے، اور  
گویا اپنے اوپر آرام حرام کر لیا تھا۔

تین من میں لکھیں، اور ان کا نام المعجم الکبیر والصغیر والاوسط رکھا، سند کی ترتیب مرویات صحابہؓ  
کی بنیاد پر رکھی۔ یہ معجم بین ہزار پانچ سو احادیث پر مشتمل ہے، اصفہان میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہیں  
سنہ ۳۶۰ھ میں وصال ہوا، رحمۃ اللہ علیہ (اتحاف النیلار ص ۲۵۶)

۱۔ سند دارمی ابام عبد اللہ بن عبد الرحمن بن فضل بن بہرام القیمی الدارمی کی تصنیف ہے۔ امام  
دارمی سنہ ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ احادیث کے جمع کرنے کے لئے (باقی حاشیہ صفحہ ۲۲ پر)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں اپنے عاملوں کے پاس بھینے کے لئے کتاب الصدقہ لکھوائی تھی۔ لیکن ابھی وہ بھیجی نہیں گئی تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا حادثہ پیش آیا۔ آپ کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو وہ کتاب عاملوں کے پاس بھیجی گئی۔ کتاب الصدقہ میں جانوروں کی زکوٰۃ کے متعلق مسائل تھے۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۷۹)

احادیث کے ان کتابی ذخیروں کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں وہ خطوط، معاہدے، امن نامے اور جاگیروں کے وثیقے ہیں، جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوا کر اور فہرثبت کر کے بادشاہوں اور اور قبائل کے رئیسوں کو بھیجے یا مختلف لوگوں کے حوالہ کئے۔

اس ستم کے خطوط و وثائق کو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ڈی مل۔ ڈی لٹ پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے جمع کیا ہے۔ اور یہ مجموعہ الوثائق السیاسیہ کے نام سے طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے، اور اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ مجموعہ ۲۸۱ خطوط و وثائق پر مشتمل ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) دور دراز ممالک اسلامیہ اور علمی مراکز کا سفر کیا، امام مسلم، امام داؤد، امام ترمذی وغیرہ نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے، کہ خراسان میں حدیث کے چار حافظ ہیں، جس میں سے ایک دارمی ہیں، علامہ ذہبیؒ نے امام دارمی کے متعلق خطیب بغدادی کا بیان نقل کیا ہے کہ (باقی حاشیہ صفحہ ۲۳ پر)

135239

یوں تو اس مجموعہ میں وہ خطوط و وثائق بھی ہیں جو خلفائے راشدین نے لکھے ہیں لیکن مذکورہ بالا تصدیف صرف ان خطوط و وثائق اور عہد ناموں کی ہے جن کا تعلق حضرت رسالتاً سے ہے۔

ان ہی خطوط میں ایک خط وہ بھی ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس شاہ مصر کو لکھوا کر بھیجا تھا۔ یہ خط مصر کے آثار قدیمہ کی کھدائی میں برآمد ہوا۔ اور آج بھی مصر میں موجود ہے۔ یہ پورا برآمد شدہ خط حدیث کی مرہب کتابوں میں منقول اور مروی ہے جس کا دل چاہے اصل خط کو کتب حدیث کی روایت سے ملا کر دیکھ لے۔ اس کو دونوں کی حیرت انگیز مطابقت پر تعجب ہوگا۔ صرف یہی ایک واقعہ حدیث کی موجودہ کتابوں کی صحت کا کھلا ہوا ثبوت ہے، اصل خط کا عکس شائع ہو چکا ہے اور اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔

اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور مکتوب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲) کان احد الحفاظ والرحالین موصوفاً بالثقة والورع  
والزهد ..... وكان على غايته العقل وفي نهايته الفضل۔

امام دارمی دیانت علم۔ اجتہاد اور عبادت میں ضرب المثل تھے بمرقہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ صرف ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا۔ اور استعفاء دے دیا۔ امام احمد بن حنبل نے امام دارمی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کے سامنے دنیا پیش کی گئی۔ مگر انھوں نے قبول نہیں کیا۔ سنہ دارمی میں تین ہزار پانچ سو ستاون احادیث ہیں۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۲۴ پر)

گرامی کی اصل بھی دستیاب ہو چکی ہے جس کا مخاطب مندر بن ساوی ہے جو کسریٰ کی طرف سے بحرین کا گورنر تھا۔ اصل خط کا عکس مجموعۃ الوثائق السیاسیہ میں موجود ہے۔

حدیث کی روایت کرنے والوں میں ایک مشہور صحابی حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، موجودہ کتب حدیث میں آپ سے ایک ہزار دو سو چھپیا سی احادیث مروی ہیں۔ اور اس لئے آپ کا شمار ان صحابہ کرام رض میں ہے، جن سے احادیث کی بڑی تعداد مروی ہے۔

حضرت معبد بن ہلال کا بیان ہے کہ جب احادیث کے متعلق ہم لوگ حضرت انس رض سے زیادہ پوچھ گچھ کرتے تو حضرت انس رض ایک چونکا نکال لاتے اور فرماتے یہ وہ احادیث ہیں جنہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر لکھ لیا ہے اور لکھ کر ان احادیث کو دربار رسالت میں پیش کیا ہے اور اس کی تصدیق و توثیق کرائی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳) امام دارمی کے وصال کی خبر جب امام بخاری کو ملی تو اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا۔ اور آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔ ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ (بستان ص ۴۷ و تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۱۱۵ و ۱۱۶)

۱۷ معبد بن ہلال تابعی ہیں حضرت انس بن مالک رض عقبہ بن عامر رض اور حسن بصری رض سے روایت حدیث کی ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۲۵)



اس واقعہ کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ کم از کم حضرت انسؓ کی جو روایات ہیں، انہیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و توثیق حاصل ہے، اور وہ زمانہ نبوت ہی میں قلمبند ہو کر حضورؐ پر پیش کی جا چکی ہیں۔ تو اس سے کون انکار کر سکے گا، اور واقعات بتلاتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایات آپ ہی کے عہد میں مختلف لوگوں کے ہاتھوں قلم بند ہو کر پھیل چکی تھیں۔

ابانؓ تابعی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم حضرت انسؓ کے پاس بیٹھ کر حدیثیں لکھتے تھے (دارمحدیث ۲۸) ظاہر ہے کہ حضرت ابانؓ کے لکھے ہوئے نسخہ میں وہ حدیثیں ضرور ہوں گی جن کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے لکھ کر حضورؐ کے سامنے پیش کیا تھا۔

۱۔ مستدرک حاکم الامام الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن عبد المعروف بالحاکم النیشاپوری کی تصنیف ہے۔ موصوف ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے طلب علم میں مشغول ہو گئے، خراسان ماوراءالنہر اور دوسرے اسلامی ملکوں، اور تعلیمی مرکزوں میں جا کر تقریباً دو ہزار شیوخ سے فن حدیث حاصل کیا۔ اور دارقطنی، بیہقی، ابویعلیٰ خلیلی وغیرہ کے ایسے اساتذہ فن نے حاکم سے روایت کی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ حاکم کے زمانہ میں چار صحابہ سرگرم محدثین تھے۔ بغداد میں دارقطنی اصفہان میں ابن فہرہ مصر میں عبدالغنی اور نیشاپور میں حاکم اور امام حاکم کو خصوصیت کے ساتھ فن تصنیف، و ترتیب کتاب میں امتیاز حاصل تھا۔ مختلف علوم و فنون میں کتابیں لکھی ہیں، لیکن فن حدیث کا ان پر غلبہ تھا۔ اس لئے اسی فن میں زیادہ شہرت حاصل کی، ابن خلکان نے لکھا ہے، مستدرک میں امام حاکم رضی اللہ عنہ نے شیخین کی شرائط پر احادیث کو جمع کیا ہے۔ اور ایسی حدیثوں کو بھی اس میں (باقی حاشیہ صفحہ ۲۶ پر)۔

ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ احادیث کا معتد بہ اور قابل ذکر حصہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تحریری شکل اختیار کر چکا تھا اور جس کی تعداد یقیناً سیکڑوں سے متجاوز تھی، اور احادیث کا ایک معتد بہ حصہ وہ تھا جو اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قلمبند تو نہ ہوا لیکن ایک صحابی نے لکھ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا اور اس کی تصدیق حاصل کی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے اس قسم کے تمام واقعات کا احاطہ کر لیا ہے۔ بلکہ تلاش و جستجو سے ان معلومات میں اور اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

اب ذخیرہ احادیث کے تیسرے حصہ کو لیجئے۔ جو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کانوں سے سننے والے اور فعل رسول اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے اور احادیث کے اولین راوی خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵) درج کیا ہے جو اگرچہ صحیحین میں نہیں ہیں مگر شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرائط پوری اترتی ہیں۔ اور ایسی حدیثوں کو بھی اپنی کتاب میں جگہ دی ہے جو اگرچہ شیخین میں سے کسی ایک شرط پر نہیں ہیں مگر حاکم کے نزدیک صحیح ہیں۔ یہ متدرک چار جلدوں میں ہے۔ ان کی وفات کا واقعہ اس طرح ہے کہ غسل کر کے حمام سے باہر نکلے، لنگی ہی باندھے ہوئے تھے۔ کپڑا بھی بدلنے نہ پاتے تھے۔ کہ ایک آہ کھینچی اور روح پرندہ از گئی۔ انتقال کے بعد لوگوں نے حاکم کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ کس طرح نجات پائی۔ امام حاکم نے جواب دیا، کہ کتابت حدیث میری نجات کا ذریعہ بنی۔ ۲۰۵ھ میں یہ حادثہ پیش آیا۔ رحمتہ اللہ علیہ (بستان ص ۲۴ و ۲۵)

مستدرک وہ کتاب ہے جو حدیث درسیاق و سباق اور عم القلتہ کو منظم کرنا ہے۔ صحابہ و درویش  
حضرت غزالی نے جو کتابت احادیث سے بطور نقل عبد بن ماجہ کیا۔ دراصل سندوں  
سے ہی حدیث کی صحیح و صحیحہ لکھی ہے۔

قلمبند ہوا کوئی شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں احادیث کا جو ذخیرہ قلمبند ہوا۔ اس کی صورت تو یہی ہوگی کہ کسی صحابی نے کسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی پھر جب کبھی موقع ملا تو اس کو لکھ لیا۔ ہو سکتا ہے کہ حدیث کا مفہوم و مضمون یاد نہ رہا ہو، اس لئے ایسے ذخیرہ پر کہاں تک بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔

لیکن یہ خیال بھی ناواقفیت کا ہی نتیجہ ہوگا۔ جو لوگ عرب کے حافظہ سے واقف ہیں۔ صحابہ کرام کی حیرت میں ڈال دینے والی قوتِ یادداشت سے باخبر ہیں۔ ان وعیدوں کا جنہیں علم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمائی ہیں جو کسی ایسی حدیث کو حضور کی طرف منسوب کرتے ہیں جو آپ نے نہیں کہی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی صحابی نے کوئی ایسی حدیث قلم بند کی ہو جس کے حدیث ہونے پر اسے پورا اعتماد نہ ہو۔ صحابہ کرام کی خشیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی محبت اور واہانہ عقیدت ان کی حق گوئی اور راستبازی، ان کی دیانت اور امانت اس کی اجازت ہی نہیں دے سکتی، وہ کسی ایسی چیز کو حضور کی طرف منسوب کریں جس کے حدیث ہونے میں انہیں ذرا بھی شبہ ہو۔ یہ لفظ **عقیدہ مستند** ہے۔

اس کے علاوہ صحابہ کرام زمانہ نبوت میں حدیثوں کے یاد کرنے اور محفوظ رکھنے کا انفرادی اور اجتماعی طریقہ پر جو اہتمام فرمایا کرتے تھے، وہ ان کی قلم بند کی ہوئی حدیثوں کی صحت کے لئے خود سب سے بڑی ضمانت ہے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلعم سے حدیثیں  
 سنتے رہتے اور جب آپؐ مجلس سے تشریف لے جاتے تو ہم لوگ پھر آپس  
 میں حدیثوں کا دور کرتے۔ یکے بعد دیگرے ہم میں سے ہر ایک شخص ساری  
 حدیثیں بیان کر جاتا۔ اکثر مجلسوں میں بیٹھنے والوں کی تعداد ساٹھ آدمیوں  
 تک ہوتی اور وہ سب باری باری سے بیان کرتے تھے، پھر جب ہم اکٹھے تو  
 حدیثیں اس طرح محفوظ ہوتیں گویا ہمارے دلوں میں بوزی گئی ہیں۔  
 (مجمع الزوائد) قال بنیم بآئیں اللبہ درس کسبہ فوجیہ۔

حضرت معاویہؓ کا بیان ہے کہ زمانہ نبوت میں فرض نمازوں کے بعد  
 صحابہ کرامؓ مسجد میں بیٹھ جاتے، اور قرآن پاک و احادیث کا مذاکرہ کرتے۔  
 (ستدرک حاکم جلد ۱ ص ۹۲)

۱۰ حضرت انسؓ بن مالکؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں۔ ہجرت سے وفات تک خدمت میں  
 رہے۔ خود فرماتے ہیں۔ مات (صلی اللہ علیہ وسلم) وانا بن عشرين۔ جب آنحضرتؐ کا  
 وصال ہوا۔ تو میں بیس برس کا تھا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کی صحبت میں رہے  
 آخر الصحابہ ہیں۔ امام بخاری نے انسؓ اور امام مسلم نے ستر حدیثیں آپؐ سے روایت کی ہیں اور مشترکہ  
 طریقہ صحیحین میں آپؐ کی مرویات کی تعداد ۱۲۸ ہے۔ ۹۳ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۸)

۱۱ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان الاموی مشہور صحابی ہیں، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت  
 میں حضرت علیؓ سے مُتآبلہ اور جنگ جمل و صفین نے از زیادہ مشہور کر دیا ہے (باقی حاشیہ صفحہ ۲۹ پر)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت  
عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہما اور ان کے سوا دوسرے اکابر صحابہ و تابعین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸) فتح مکہ سے پہلے اسلام لاتے، وحی کے کاتب تھے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق بادشاہ ہونے کی پیشین گوئی کی تھی جو پوری ہوئی  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شام کے والی مقرر ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اس عہدے پر  
فائز رکھا۔ اس کے بعد اسلامی ملک کے ایک حصہ کے خود مختار امیر رہے۔ ان کا زمانہ ولایت بھی بیش  
برس ہے اور زمانہ امارت بھی تقریباً بیس برس۔ اٹھاسی برس عمر پائی اور ۶۰ برس میں انتقال فرمایا  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۰۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ انصاری مدنی ہیں۔ بیعتہ شجرہ میں شریک تھے۔ ان کے والد نے غزوہ احد  
میں شہادت پائی۔ علمائے صحابہ میں ہیں اور صاحب افتاد ہیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جابر بن عبد اللہ اور دوسرے  
صحابہ کرام نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اہل صفہ میں تھے، ان کی مرویات بخاری میں سولہ اور  
مسلم میں باون ہیں، سنن ابی داؤد میں وصال ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۷۳ اور آپ کی مرویات کی  
مجموعی تعداد ۱۱۷۰ ہے۔ (فتاویٰ عزیز جلد ۲ ص ۸۳)

ابو یسیٰ بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ الانصاری الکوفی، تابعی ہیں، مدینہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے  
زمانہ میں پیدا ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے حدیث کی  
روایت کی ہے۔ ابن سیرین کا بیان ہے کہ میں ان کی مجلس میں بیٹھا ہوں، ان کے سنا سنی ان کی بڑی عزت کرتے  
تھے۔ حجاج بن یوسف نے انہیں قاضی مقرر کیا۔ اور اسی دوران میں ان سے فراتش کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰ پر) (اس صفحہ کے نمبر ۳ کا حاشیہ صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیے)

حدیث کے مذاکرہ کی اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کو تاکید کرتے تھے۔

(دارمی ص ۷۵)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق ابن تبریہ کا بیان ہے۔

قال علی تذاکر والحدیث	حضرت علی نے فرمایا کہ علم کا مذاکرہ کرو۔ اور
وتزاوروا فانکم ان لکم	ایک دوسرے سے ملنے رہو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو
تفعلوا یدرس (دارمی ص ۷۹)	علم ضائع ہو جائے گا۔

یعنی صحابہ کرامؓ میں دو چیزوں کا چرچا تھا۔ کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ، اور وہ اپنے وقت کو انہیں دو کاموں میں صرف کرتے اور ان ہی دو چیزوں کو خود پڑھتے۔ دوسروں کو پڑھاتے یا ان سے سنتے رہتے تھے، اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کو ان ہی چیزوں کے مذاکرہ اور حفظ کی تاکید کرتے رہتے۔ تو پھر جنہوں نے حدیث کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہو انہیں حدیثیں یاد نہ رہیں تو کس کو رہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) لیکن ابن ابی لیلیٰ نے انکار کیا، تو حجاج نے پہلے عہدہ قضا سے معزول کیا اور پھر پٹوایا۔ اس کے بعد کوفہ سے نکل پڑے، اور ۸۳ھ میں انتقال کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۵)

(صفحہ ۲۹ کے نمبر ۳ کا حاشیہ) علقمہ بن قیس الکوفی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں پیدا ہوئے حضرت عمر رضی حضرت عثمان رضی حضرت علی رضی (باقی حاشیہ صفحہ ۳۱ پر)

کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں احادیث کے یاد کرنے کا رواج عام تھا۔ اور جنہیں کوشش کے باوجود حدیثیں یاد نہ رہتیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکایت کرتے۔ ایسے لوگوں کے لئے بعض دفعہ آپؐ دعا فرمایا کرتے اور بعض دفعہ لکھنے کا حکم دیتے، جیسا کہ اوپر کی روایتوں سے معلوم ہو چکا۔ اور جن صحابہ کرامؓ کو محنت و مشقت کے باوجود احادیث محفوظ نہ رہیں اور وہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر شکایت کرتے تو بعض دفعہ آپ ان کا معجزانہ علاج فرماتے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ان کی زندگی طالب علمانہ تھی، برابریں دربار رسالت میں حاضر رہتے، اس لئے احادیث کے سننے کا موقع سب سے زیادہ حضرت ابو ہریرہؓ ہی کو ملتا تھا۔ چنانچہ بعد میں جب لوگ ان سے ان کی کثرت روایت کے متعلق پوچھتے تو اس کی وجہ یہی بیان کرتے، کہ میں غریب شخص تھا کسی کاروبار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے حدیث کی روایت کی ہو اور ایہم کا بیان ہے کہ علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ان ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ جو لوگوں کو پڑھاتے ہیں۔ سنت کی تعلیم دیتے ہیں اور جن کی راتے پر لوگ اعتماد کرتے ہیں حضرت علقمہ صاحبِ افتاء تھے۔ اور ایسے تابعی تھے جن سے صحابہ کرامؓ بھی استفادہ کیا کرتے تھے۔ ابن سیرین کا بیان ہے، کہ کوفہ میں اپنے ہم عصر علماء میں علقمہ تیسرے نمبر پر شمار کئے جاتے تھے۔ حضرت علقمہ نے نوے برس کی عمر پائی، اور کوفہ ہی میں ۶۲ھ یا ۶۳ھ میں وفات پائی، رحمۃ اللہ علیہ۔

(تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۴۸)

یا روزگار سے مجھے سروکار نہ کھتا۔ رات دن آستانہ نبوت پر پڑا رہتا  
دوسرے صحابہؓ اپنے اپنے کاموں اور روزگار میں مصروف رہتے۔ فرصت  
نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اس  
لئے مجھے دوسرے صحابہؓ کے مقابلے میں احادیث کے سننے کا زیادہ موقع  
ملا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۳۵ باب حفظ العلم۔) لیکن برابر کی حاضری  
اور احادیث کو یاد رکھنے کی کوشش کے باوجود انھیں حدیثیں یاد نہ رہتیں۔  
ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی حسرت کے ساتھ اپنی داستان  
کہی، اور یاد نہ رہنے کی شکایت کی۔ آپ نے ایک معجزانہ طریقے پر سوہ حفظ کا علاج  
فرمایا۔ آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنی چادر کھیلادو، انھوں نے  
حکم کی تعمیل کی۔ پھر آپ نے اپنے دونوں خالی ہاتھوں کا ایک لپ ان کی چادر  
میں ڈالا اور فرمایا کہ چادر سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ  
اس واقعہ کے بعد میرا حافظہ اس قدر قوی ہو گیا کہ کسی بات کو ایک دفعہ سن لینے کے  
بعد میں کبھی نہ بھولتا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۳۵)

ایک طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شغف بالحدیث کا یہ حال کہ بغیر مذاکرہ حدیث  
کے انھیں چین نہیں۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی  
ترغیب اور صاف حکم کہ حدیثیں لکھا کرو۔ پھر یہ کس طرح یقین کر لیا گیا  
کہ عہد نبوی میں احادیث کی کتابت نہیں ہوتی اور احادیث کا مدار صرف

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ مہاجرین صحابہ میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص  
اور صحابہ صفہ میں سے ہیں۔ صحابہؓ میں حدیث کے سب سے (باقی حاشیہ صفحہ ۳۳ پر)



زبانی روایتوں پر رہا۔

واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے احادیث کی صرف زبانی روایتوں پر اکتفاء کی بلکہ احادیث کو قلمبند کیا۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے صحابہؓ حدیثیں لکھا کرتے تھے، جس کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ احادیث بیان فرما رہے ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت آپ کو گھیرے ہوئے بیٹھی ہے اور حدیثیں لکھتی جا رہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کتابت حدیث کے متعلق اپنے ایک بیان کی ابتداء ان الفاظ سے فرماتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲) بڑے حافظ اور کثرین حدیث میں سے ہیں۔ صاحبِ دس و فتویٰ ہیں۔ فقر و فاقہ کی لذتوں کو خوب چکھا ہے۔ اور دولت و فراخی کی تلخیوں سے بھی کام و دہن کو آشنا کیا ہے۔ ورع و تقویٰ عبادت و ریاضت میں ممتاز تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

نشأت یتیم و ہاجر	میری پرورش یتیمی کی حالت میں ہوئی اور
مسکینا و کنت اجیراً لابن	ایک مسکین کی حیثیت میں ہجرت کی۔ میں صرف
غزوان بطعام بطنی و عقیبتہ	بھر پیٹ کھانے پر ابنِ غزوان کی
رجلی احد و ہم اذار کبوا و	مزدوری کرتا تھا، جب وہ سوار ہو کر چلے
احتطب اذ انزلوا فالحمد للہ	تو میں ساتھ جاتا۔ جب وہ اترتے

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۲ پر)

بينا نحن حول رسول الله  
صلى الله عليه وسلم نكتب  
هم سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے گرد بیٹھ کر حدیث  
رکھ رہے تھے۔

(دارمی ص ۶۸)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
زمانہ میں کتابت حدیث کا منظر یہ ہوا کرتا تھا کہ آپ درمیان میں تشریف  
فرما ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت حلقہ بنا کر آپ کے گرد بیٹھی ہوتی ہے اور جو کچھ  
آپ ارشاد فرماتے جارہے ہیں، قلمبند ہوتا جا رہا ہے۔

یہ تو بالکل ایسا کی شکل ہوتی، کہ ایک شخص بولتا جا رہا ہے اور ایک جماعت  
لکھتی جا رہی ہے۔ اور پھر اسی کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی  
ملا لیا جائے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) الذی جعل  
الدین قواماً و اباً ہریراً  
اماماً۔  
تو میں لکڑی چنتا کھتا پس اس خدا  
کا شکر ہے جس نے دین کو استوار  
کیا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو امام بنایا۔

ایک اور موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

انی کاستغفر اللہ لربی و اتوب  
الیہ کل یوم اثنا عشر الف  
مرۃ و قال الراوی کان لہ  
خیط فیہ الف عقدة لا ینام  
حتی لیسبح بہ ،  
میں روزانہ بارہ ہزار مرتبہ خدا کی جناب  
میں توبہ اور استغفار کرتا ہوں۔ راوی  
کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک  
ٹاٹا تھا جس میں دو ہزار گریں تھیں اس پر سب  
پڑھے بغیر سوتے نہ تھے۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۵ پر)

بات کو دو دو تین تین بار دہراتے تاکہ لوگوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ تو پھر صحابہ کرام کی قلبت کی ہوئی حدیثوں کی صحت پر کون شبہ کر سکتا ہے؟

اب خود حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی کتابت کا حال سنئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ احادیث کی روایت کروں اور اگر آپ کی اجازت ہو تو احادیث کو یاد کرنے کے ساتھ لکھ بھی لیا کروں۔ ارشاد ہوا کہ اگر میری حدیث ہے تو تم کو لکھنے کی اجازت ہے۔ (دارمی - ص ۶۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات پانچ ہزار تین سو چوبیس ہیں ۵۳۷۲ میں وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۸)

۱۷ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما جرمین میں سے ہیں۔ تذکرہ نویسوں نے انہیں "العالم الربانی" کا لقب دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد پر نفیلت دی ہے حصول علم کے بے حد شائق تھے۔ تیریت و انجیل کے بھی بڑے عالم تھے۔ ان کا زہد و تقویٰ زمانہ رسالت ہی میں مسلم تھا۔ عبادت و ریاضت میں بڑی محنت کرتے، کثرت سے روزے رکھتے، اور نمازیں پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے بھی نوازا تھا۔ کافی حشم و خدم کے مالک تھے۔ طائف میں ان کا ایک باغ و دھڑ نامی تھا جس کی قیمت دس لاکھ درہم تھی۔ جنگ صفین میں آئے مگر لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔

مصر کے اندر ۶۵ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۵)

دربار رسالت سے اجازت حاصل کر لینے کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حدیث کی کتابت شروع کی اور پورے انہماک کے ساتھ احادیث کے قلمبند کرنے میں مصروف ہو گئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا، لکھ لیا کرتا تھا۔ (ابوداؤد جلد ثالث ص ۳۵۶)

یہ سلسلہ جاری تھا کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو بعض حضرات نے کتابت حدیث سے منع کیا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ قریش کے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، بہت سی باتیں آپ غصہ کی حالت میں بھی فرمایا کرتے ہوں گے، اس لئے حدیث نہ لکھو۔ قریش کی ممانعت سے میں نے لکھنا بند کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لکھا کرو۔ پھر وہاں مبارک کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ اس سے (میری زبان سے) حق کے سوا اور کوئی بات نہیں نکلتی۔ (ابوداؤد جلد ثالث ص ۳۵۶ باب کتابت العلم)

۱۰ سنن ابوداؤد کے مصنف ابوداؤد سلیمان بن الأشعث السجستانی ہیں۔ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم میں بہت سے شہروں کا چکر لگایا۔ عراق، خراسان، شام، مصر، الجزائرہ، حجاز اور دوسرے اسلامی ملکوں میں جا جا کر علم حدیث حاصل کیا۔ امام بخاری و امام مسلم کے شیوخ و اساتذہ مثلاً امام احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبہ اور قطبہ بن سعید وغیرہ سے بھی حدیث کی سماعت کی۔ اللہ تعالیٰ نے امام ابوداؤد کو علوم میں بڑی دستگاہ عنایت فرمائی تھی۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۷ پر)

اس اجازت اور حکم ثانی کے بعد حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کتابت حدیث کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ اور لکھتے لکھتے ان کے پاس احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ جس کا نام انہوں نے صادقہ رکھا۔ حدیث کی اس کتاب کے متعلق حضرت عبداللہؓ فرمایا کرتے تھے۔ فاما الصادقة نصیفة کتبھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ صادقہ وہ کتاب ہے جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) حافظ موسیٰ بن ہارون محدث نے فرمایا ہے۔ خلق ابو داؤد فی الدنیا للحدیث وفی الاخرۃ للجنۃ۔ (ابو داؤد دنیا میں حدیث کیلئے رآخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔) امام ابو داؤد کو پانچ لاکھ حدیثیں محفوظ تھیں۔ ان میں سے انتخاب کر کے سنن مرتب کی جس میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں۔ سنن کی ترتیب میں اس کا لحاظ رکھا کہ حدیث صحیح یا حسن ہو۔ اس سے کم درجہ کی حدیث کو اپنے سنن سے درج نہیں کیا۔ امام ابو داؤد کا قول ہے کہ حدیث کے ذخیرہ میں چار حدیثیں سمجھ دار شخص لئے کافی ہیں۔ ایک۔ ائمانا الاعمال بالنیات۔ انسان کے عمل کا مدار اس کی نیت پر ہے۔ دوسری۔ من حسن اسلام المرء ترک ما لا یغنیہ۔ یعنی چیزوں کو چھوڑ دینا انسان کے اسلام کی سب سے بڑی خوبصورتی ہے۔

ری۔ لایکون المؤمن مومنا حتی یرضی لایخیر ما یرضاه لنفسہ کوئی شخص وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے اسی چیز کو پسند نہیں کرے۔ جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۸ پر)

صداقہ سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بڑی محبت تھی۔ اور اس کو وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی کمائی سمجھتے تھے۔ چنانچہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے۔ مَا بَرَّ غَبْنِي فِي الْحَيَاةِ إِلَّا الصَّدَاقَةَ صَادِقَةً كَمَا سَوَا كَوْنِي شَيْءًا مَجْهُدًا لِكُوْنِي رِزْقًا لِي وَرِزْقًا لِبَنَاتِي۔ (دارمی صفحہ ۶۷)

حدیث کی کتاب صداقہ کتنی ضخیم ہوگی اور اس میں کتنی حدیثیں درج کی گئی ہوں گی۔ اس کا اندازہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا شمار مکثرین حدیث میں ہے اور جن کی روایتوں کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوبیس ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کا بیان ہے۔ مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عِنْدَ مَنْ فِي الْأَمَاكِنِ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عبداللہ بن عمرو کے علاوہ کسی اور کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں نہ تھیں۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۲۲)

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی مرویات کو تسلیم بند نہیں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷) جو تھی۔ الحلال بین و الحرام بین و بین ذالک مشتبہات فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه و حلال اور حرام دونوں واضح ہیں۔ اور جو کچھ اس کے درمیان ہے۔ متشابہات ہیں۔ پس جو شخص شہات سے بچا، اس نے اپنی دنیا پاک کر لی۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص ان چار حدیثوں کو اپنی زندگی کا اصول بنا لے وہ دین اور دنیا دونوں میں کامیاب رہے گا۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۹ پر)

کیا تھا۔ بہر حال اس بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی مرویات پانچ ہزار کچھ سو سے بھی زیادہ تھیں۔ اور اسی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے اس بیان کو بھی ملا لیا جائے جو اوپر گزر چکا ہے کہ جو کچھ بھی میں حضور کی زبان مبارک سے سُننا تھا۔ لکھ لیا کرتا تھا، اور ان ہی لکھی ہوئی حدیثوں کے مجموعہ کا نام اکھنوں نے صادر کر رکھا تھا۔ تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صادقہ میں پانچ ہزار تین سو چوبیس سے بھی زیادہ حدیثیں تھیں۔ جب کہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی غیر مکرر حدیثوں کی تعداد چار چار ہزار سے بھی زیادہ نہیں ہے اور جس میں کافی حصہ ان حدیثوں کا ہے جو دونوں کتابوں میں مشترک ہیں۔ اور موطا امام مالک جسے بعض حضرات بخاری و مسلم شریف پر فوقیت دیتے ہیں۔ اس کی مرویات کی تعداد سترہ سو <sup>۱۷۲</sup> ہے تو تنہا ایک صحابی کی کتاب صادقہ کی روایات ان کتابوں کی مرویات سے زیادہ تھیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) امام ابو داؤد نے یسن بن بغداد میں رہ کر لکھی اور امام احمد بن حنبل کی خدمت میں پیش کی، آپ نے بہت پسند فرمایا۔ اور یسن کی۔ حسن بن محمد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تمسک بالسنتہ کرنا چاہتا ہو، اسے یسن ابو داؤد پڑھنی چاہئے۔

امام ابو داؤد نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں بہ ماہ شوال بروز جمعہ ۲۷۵ھ وفات

پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (اتحاف النبلاء ۸۹ ص ۲۵۷ الحط ۱۲۵ بستان المحیثین ص ۱۱۸ ص ۱۱۹)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی کی جمع کی ہوئی حدیث کی کتابیں ان کے پوتے شعیب کو ملی تھیں۔ وحید شعیب کتب عبد اللہ بن عمرو فکان یروہا عن جدہ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۵۴) شعیب کے پاس حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی کی کتابیں تھیں۔ اور اس سے وہ روایت کرتے تھے۔

اور یہ کتابیں حضرت شعیب کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے عمرو کے پاس تھیں اور وہ اس سے روایت کرتے تھے۔

۱۰ شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص الحجازی، تابعی ہیں۔ صغیر سنی ہی میں ان کے والد محمد کا انتقال ہو گیا۔ اسی لئے ان کے دادا حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے ان کی پرورش کی۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطابؓ حضرت عبادہ بن الصامت اور اپنے دادا سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اور ثقہ ہیں۔ خلیفہ نے ان کو اہل طائف کے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۳۵۶)

۱۱ عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کے متعلق امام بخاری کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ اور عام اصحاب حدیث کو دیکھا کہ وہ عمرو بن شعیب کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ عمر بن شعیب علماء عصر میں سے تھے۔ عمرو بن شعیب خود تابعی ہیں۔ اور بیس سے زیادہ تابعینوں نے ان سے روایت کی ہے۔ ۱۱۸ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۵۳)



عمر بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن  
عمر بن العاص نے اپنے والد سے  
نہیں سنا ہے، ہاں عمرو کے پاس اپنے  
والد کی کتاب تھی، اور وہ حدیثیں عمرو  
کو اسی کتاب میں ملی ہیں۔

قال ابو بکر بن ابی حنیفۃ  
سمعت نھارون بن معروف  
یقول لہ صیعم عمرو من  
ابیہ شیئاً انما وجدہ  
فی کتاب ابیہ

(تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۵۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حدیث کی کتابت صرف حضرت  
عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ صحابہ کی ایک جماعت حدیث کی  
کتابت کا کام کرتی تھی۔ اور یہ کام اس وقت سے ہو رہا تھا جبکہ حضرت  
عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حدیثوں کا قلم بند کرنا شروع بھی نہیں کیا تھا۔ خود  
ہی ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صحابہ کی ایک  
جماعت حاضر تھی، میں بھی موجود تھا، کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ اپنا  
ٹھکانا جہنم میں بنائے۔

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ  
مقعداً من النار

جب مجلس برخاست ہوئی اور ہم لوگ وہاں سے چلے تو میں نے

۱۔ تہذیب التہذیب علامہ ابن حجر عسقلانی رح کی تصنیف ہے۔ جن کا ذکر فتح الباری کے ضمن میں  
آگے آ رہا ہے، تہذیب التہذیب بارہ جلدوں پر مشتمل ہے اور جس میں حدیث کے بارہ ہزار چار سو پچپن راویوں  
کے حالات علامہ ابن حجر نے قلم بند کئے ہیں۔

ان صحابہؓ سے کہا کہ اس وعید کے سننے کے بعد آپؐ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنے کی جرأت کس طرح ہوتی ہے؟ تو ان صحابہؓ نے جواب دیا بھتیجے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی ہم نے سنا ہے وہ ہمارے پاس لکھا ہوا ہے (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۵۲)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے دربار رسالت میں عرض کیا، کہ یا رسول اللہ صلعم ہم لوگ زبان مبارک سے بہت سی باتیں سنتے ہیں اور اس کو لکھ لیتے ہیں، اس کے متعلق کیا ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لکھا کرو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (کنز العمال جلد ۵ ص ۲۲۳ مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد میں حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے بھی احادیث کو قلم بند کیا تھا۔ چنانچہ آپؐ کا مجموعہ صحیفہ علیؑ کے نام سے

۱۷ رافع بن خدیج الانصاری، صحابی ہیں، ابو عبد اللہ کنیت ہے۔ غزوہ احد اور غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ اور ۵۹ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۲۲۹)

حضرت رافع بن خدیجؓ کی مرویات کی تعداد (۷۸) ہے (فتاویٰ عزیزی جلد ۲ ص ۵۳)

۱۸ علی بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور داماد ہیں۔ اور ان چند لوگوں میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا ہے جس سے ان کی فطری صلاحیت اور سلامت طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۴۳ پر)

مشہور ہے۔ صحیفہ علیؑ میں شریعت کے بہت سے مسائل تھے، خوئی بہا  
اسیروں کی رہائی، زکوٰۃ اور دوسرے موضوع سے متعلق احادیث تھیں۔  
(بخاری شریف ص ۳۳ باب کتابۃ العلم، طحاوی جلد ۱۲ ص ۳۸۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲) علم، تقویٰ، شجاعت، سخاوت حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کی نمایاں  
خصوصیات ہیں، خود آنحضرت نے فرمایا۔ افضہم علیؑ۔ سب سے بہتر فیصلہ  
کرنے والے علیؑ ہیں۔ غزوات میں شریک رہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور جہاد کا  
حق ادا کر دیا۔ جس کی ایک مثال غزوہ خیبر کا تاریخی واقعہ ہے ”اللہ کی راہ میں جہاد“  
کا کیا مطلب ہے۔ اس کو حضرت علیؑ نے اپنے عمل سے بتلایا ہے، جہاد کے موقع پر ایک  
دشمن مقابلہ پر آیا۔ اور حضرت علیؑ پر خوب خوب وار کئے، حیدر کرار نے بھی فن سپہ گری  
کے جوہر دکھلائے، اور آخر دشمن پر غالب آئے، اُسے زمین پر کھچاڑا۔ سینہ پر سوار  
ہو گئے، کمر سے خنجر نکالا اور چاہا کہ دشمن کا سرتن سے جدا کر دیں۔ کہ اس نے حضرت  
علیؑ کے منہ پر کھوک دیا۔ آپ کو غصہ آگیا مگر سنبھلے۔ خنجر کمر میں رکھا، اور دشمن کو  
چھوڑ دیا۔ اُس نے عرض کیا آپ تو مجھ پر تباہ ہو پا چکے تھے، پھر کیوں چھوڑ دیا؟  
حضرت علیؑ نے اس کا جو جواب دیا وہ سُننے کے لائق ہے، اور وہی جہاد فی سبیل اللہ  
کی تفسیر ہے ”فرمایا جب تک تو نے میرے منہ پر کھوکا نہ تھا میں اللہ کے واسطے لڑ رہا  
تھا۔ اور تیرے کھوکنے کے بعد مجھ کو غصہ آگیا۔ اب اگر میں تجھ کو قتل کرتا تو وہ اللہ کے  
واسطے نہ ہوتا، بلکہ اپنے نفس کے لئے ہوتا۔ اس لئے میں نے تجھ کو چھوڑ دیا۔“  
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲ پر) حضرت علیؑ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

خود حضرت علی کریم اللہ وجہہ کا بیان ہے۔

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے	مَا كَتَبْنَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ
کوئی چیز نہیں لکھی مگر قرآن کریم اور	صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ إِلَّا الْقُرْآنَ
جو کچھ اس "صحیفہ" میں ہے۔	وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ

خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما جو حدیث کے راویوں میں سب سے زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔ اور جن کی مرویات کی تعداد کا ذکر اوپر گزر چکا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا۔

تم میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے موسیٰ	أَنْتَ مَنِي بَمَنْزِلَةِ هَارُونَ
علیہ السلام کیلئے حضرت ہارون مگر یہ کہیر	مَنْ مَوْسَى إِلَّا أَنْتَ لَأَنْبَى
بعد کوئی بنی نہیں۔	بَعْدِي۔

ایک اور موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تمہارے ساتھ محبت رکھنا ایمان کی نشانی	لَا يَجِبُكَ إِلَّا مَوْمِنٌ وَلَا
ہے اور تمہارے ساتھ بغض رکھنا نفاق	يَبْغِضُكَ إِلَّا مَنَافِقٌ
کی علامت ہے۔	

وہی حدیثیں بیان کرو جس کو لوگ قبول کر سکتے	حَضْرَتِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَدْ قَالَ - حَدِّثُوا النَّاسَ
ہوں۔ (یعنی جس کا حدیث ہونا عقل تسلیم کرے)	بِمَا يَرْضَوْنَ وَدَعُوا مَا يَنْكُرُونَ
اور ان حدیثوں کو چھوڑ دو جس کو لوگ قبول نہ کریں	اَتَّخِبُونَ انْ يَكْذِبُ اللَّهُ
کیا اس کو تم پناہ کرو گے کہ اللہ اور اس کا رسول جھٹلایا جائے	وَرَسُولُهُ -

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۵ پر)

ان کے متعلق یہ تو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں یا اس کے بعد لیکن بہر حال یہ مسلم ہے کہ انھوں نے بھی احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ قلمبند کر لیا تھا۔ حضرت حسن بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے ابو ہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی، انھوں نے اس کا انکار کیا، میں نے کہا کہ یہ حدیث تو میں نے آپ ہی سے سنی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اگر مجھ سے سنی ہوگی تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی، اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر میں لے گئے، اور مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بہت سی کتابیں دکھلائیں۔ اور تلاش سے میری بیان کردہ حدیث ان کتابوں میں مل گئی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر وہ حدیث میں نے بیان کی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔

(فتح الباری جلد ۱ - ص ۱۲۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴) غالباً حضرت علیؓ کا بتلایا ہوا ہی حکیمانہ اصول ہے جس پر فن تنقید حدیث میں درایت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔، رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو اپنے دار الخلافہ کوفہ میں شہید کئے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (تذکرۃ الحفاظ وغیرہ جلد ۱ ص ۹ لغایتہ ص ۱۲)

۱۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری کے مصنف تاج القضاة الحافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن حنبلہؒ کے نام سے مشہور ہیں، ان کی ولادت کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے والد کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ اس وقت کے ایک مشہور صاحب کرامت بزرگ شیخ ضائقبریؒ۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۴۶ پر)

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی روایت کرتے تھے۔ وہ ان کے پاس قلم بند تھا۔ جب ہی تو انھوں نے حسن بن عمر کو حدیث کی بہت سی کتابیں دکھائیں۔ اب اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی مرویات کو جن کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ ہے قلمبند کر چکے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ کے متعلق بشیر بن نہیک کا بیان ہے کہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵) کی خدمت میں ان کے والد حاضر ہوئے، اور عرض ادعا کی، بزرگ نے دعا دی اور فرمایا کہ تمہارے صلب سے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جو اپنے علوم سے دنیا کو معمور اور سیراب کرے گا۔ اس کے بعد ۴۳ھ میں ابن حجر پیدا ہوئے، مصر تو مولد ہی تھا۔ اسکندریہ، فارس، شام، حلب، حجاز، یمن وغیرہ میں جا کر تحصیل علم کی۔ اور مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل کیا۔ اور اس زمانہ کے شیوخ و محدثین نے فن حدیث میں علامہ ابن حجر کی فضیلت اور فوقیت کا اعتراف کیا۔ ڈیڑھ سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں جو پندرہ گئیں۔ اور بہت مقبول ہوئیں۔ اور علامہ کی زندگی ہی میں دور دراز ملکوں سے کتابوں کی مانگ ہونے لگی۔ قرأت حدیث کے متعلق ان کے واقعات حیرت انگیز ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے وقت میں خاص برکت عطا فرمائی تھی۔ فتح الباری علامہ موصوف کی قیمتی تصانیف میں ہے۔ جو مقدمہ ملا کر چودہ جلدوں میں ہے۔ اور جس کا ہر صفحہ مصنف کے خداداد تجربہ علمی کا آئینہ دار ہے۔ ذی الحجہ ۸۵۲ھ میں قاہرہ کے اندر وفات پائی۔ حرمہ اللہ علیہ۔ (ربستان المحققین ص ۱۲۶)

اے بشیر بن نہیک السدوسی، تابعی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے صحابہ کرام سے (باقی حاشیہ صفحہ ۴۷ پر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کی کتابیں مانگ کر لے جاتا اور اس کی نقل کرتا پھر انھیں سناتا۔ اور عرض کرتا کہ ان حدیثوں کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ جواب دیتے کہ ہاں۔ (دارمی ص ۶۸)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ ہی میں صحابہ کرام کی جمع کردہ احادیث کی کتابوں کی نقل کا رواج عام ہو چکا تھا۔ لوگ صحابہ کرام سے احادیث کی کتابیں مانگ کر لے جاتے اور اس کی نقل کرتے۔ اور صحابہ کرام ہی سے ان نقلوں کی تصدیق و توثیق کراتے۔

وہ صحابہ کرام جن سے احادیث زیادہ تعداد میں مروی ہیں، ان میں ایک حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہے۔ ان کی روایتوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶) احادیث کی روایت کرتے ہیں۔ تہذیب التہذیب میں حضرت بشیر کا بیان

میں وہ کتاب لے کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جو میں نے ان سے لکھی تھی۔ اور پڑھ کر سنایا۔ اور کہا کہ یہ وہ ہے جو میں نے آپ سے سنا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ہاں۔

موجود ہے کہ - اثبت اباهریرۃ  
بکتابی الذی کتبت عندہ  
وقرأتہ علیہ فقلت ہذا  
سمعتہ منك قال نعم -  
(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچرے بھائی ہیں۔  
آنحضرت نے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۴۸ پر)

تعداد دو ہزار چھ سو ساٹھ ہے۔ انہوں نے بھی حدیثیں قلمبند کر لی تھیں۔ چنانچہ  
 حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ  
 کی نگاہیں کمزور ہو چکی تھیں اور وہ خود پڑھ نہیں سکتے تھے۔ اسی زمانے میں  
 طائف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباسؓ کے قلمبند کئے ہوئے حدیث کے چند  
 نسخے لے کر پہنچے۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم لوگ خود سناؤ  
 تمہارا سنانا اور میرا پڑھنا جو از روایت کے لئے دونوں یکساں ہیں۔  
 (طحاوی جلد ۲ ص ۳۸۳، ترمذی جلد ۲ ص ۳۳۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸) ان یفقهہ اللہ فی الدین | اللہ تعالیٰ دین میں سمجھ عطا  
 وَیَعْلَمَنَّ التَّائِیْل۔ | فرماتے اور قرآن کا علم دے۔

یہ دعا کیا پیشین گوئی تھی۔ جو حرف بجز پوری ہوئی۔ ابی وائل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ  
 حضرت ابن عباسؓ امیر حج بنائے گئے۔ تو ایسا بلیغ خطبہ دیا، کہ اگر ترک اور روم کے کفار سنتے  
 تو اسلام قبول کر لیتے۔ پھر سورہ نور پڑھی اور اس کی تفسیر کی۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں  
 بصرہ کے والی مقرر ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما امام المفسرین تھے۔ آج بھی ان کی  
 تفسیر موجود ہے، جو علماء میں قول فیصل اور حکم ناطق شمار کی جاتی ہے۔ طائف میں قیام تھا  
 ۶۸ھ میں وصال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۴)

۱ ابو عبد اللہ عکرمہ البربری ثم المدنی، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے خادم ہیں۔ اپنے  
 مخدوم کے سوا حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ اور دوسرے (باقی حاشیہ صفحہ ۴۹ پر)



اس بیان سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنی روایتوں کو قلمبند کر لیا تھا۔ اور دوسری یہ کہ حدیث کے ان نسخوں کی نقلیں لوگوں میں پھیل چکی تھیں، جب ہی تو طائف کے لوگ ان نسخوں کو لے کر سامنے آئے، اور اس خیال کی تائید داری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ سعید بن جبیرؓ حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھ کر صحیفوں میں حدیثیں لکھتے تھے (داری ص ۶۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸) اجلہ صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ تابعی ہیں خود حضرت عکرمہ کا بیان ہے کہ میں نے چالیس برس تحصیل علم میں صرف کئے ہیں حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا گیا کہ آپ کسی ایسے شخص کو بھی جانتے ہیں جو علم میں آپ سے بھی بڑھا ہوا ہو۔ فرمایا ہاں عکرمہ۔ قرہ بن خالد کا بیان ہے کہ جب حضرت عکرمہ بصرہ آئے، تو حضرت حسن تفسیر بیان کرنا اور فتویٰ دینا بند کر دیتے۔ مہینہ منورہ میں سترہ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ، (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۸۹، ۹۰)

۱۔ سعید بن جبیر بن ہشام الاسدی، ابو محمد الکوفی کے حنا دم تھے۔ تابعی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیث کی روایت کی ہے جب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ کوہ سے مسائل دریافت کرنے آتے، تو آپ فرماتے کہ کیا تم میں سعید بن جبیر موجود نہیں ہیں۔ حضرت سعید مستجاب الدعوات تھے۔ ان کے پاس ایک مرغ تھا۔ اس کی اذان سے روزانہ صبح کو بیدار ہوتے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۵۰ پر)

اب خواہ یہ لوگ حضرت ابن عباسؓ کے مجسموعہ کی نقلیں کرتے ہوں،  
یا حضرت ابن عباسؓ اپنی قلمبند کی ہوئی حدیثوں کو زبانی بیان فرماتے ہوں  
اور یہ لوگ لکھتے ہوں، جو کچھ بھی ہو۔ اتنی بات بہر حال واضح ہے کہ  
حضرت ابن عباسؓ نے اپنی مرویات کو قلمبند کر لیا تھا۔ اور آپ ہی کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹) اتفاقاً ایک روز مرغ نے اذان نہ دی، اس لئے مقررہ وقت پر  
ان کی آنکھ نہ کھل سکی۔ جس کا انھیں افسوس ہوا۔ اور کہا کہ مرغ کو کیا ہو گیا ہے۔ خدا اس کی  
آواز کو بند کر دے۔ چنانچہ مرغ زندہ رہا مگر کبھی اس کی آواز نہ سنی گئی۔

حضرت سعید، عبد اللہ بن عتبہ قاضی کوفہ کے کاتب تھے۔ پھر ابی بردہ بن ابی  
موسیٰ کے کاتب رہے۔ پھر ابن الاشعث کے ساتھ حجاج بن یوسف پر خروج کیا۔  
ابن الاشعث کو شکست ہوئی تو حضرت سعید کوفہ سے مکہ چلے آئے۔ ایک عرصہ کے بعد  
خالد القیسری نے گرفتار کر کے حجاج بن یوسف کے پاس واسط بھیجا۔ حجاج نے پوچھا کہ  
میں نے تمہارے ساتھ فلاں فلاں احسانات نہیں کئے؟ حضرت سعید نے جواب دیا کہ  
ہاں حجاج نے کہا کہ تم نے پھر کیوں خروج کیا۔ اس نازک موقع پر حضرت سعید نے وہی  
جواب دیا۔ جو ان کے منصب کے مناسب تھا۔ فرمایا کہ امیر المؤمنین کی بیعت تمہارے  
احسانات سے اسبق واولیٰ ہے۔ حجاج کو اس جواب پر غصہ آیا۔ اور اسی وقت گردن  
اُتر والی۔ یہ واقعہ ۹۵ھ میں پیش آیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۱ تا ص ۱۱۲)

زمانہ میں آپ کی مرویات کی نقلیں لوگوں میں پھیل گئی تھیں۔

ان کھوڑی سی تفصیلات سے اندازہ ہوا ہوگا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کی جو حدیثیں قلمبند ہوئیں، ان کی تعداد بھی یقیناً ہزار سے زیادہ ہی ہے، کم نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ صحابہ کرام کے دستِ حق پرست سے جو حدیثیں لکھی گئیں۔ اور جن اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابوں میں جگہ پائی، ان کی تعداد بھی پندرہ ہزار سے زیادہ ہے کم نہیں، صحابہ کرام کی کتابتِ حدیث کے جو واقعات اوپر لکھے گئے ہیں، ان کا خلاصہ ایک نقشہ کی شکل میں حسب ذیل ہے۔ اس نقشہ میں ایک طرف ان صحابہ کرام کے اسمائے گرامی لکھے گئے ہیں۔ جنہوں نے احادیث کے قلمبند کرنے کا کام انجام دیا۔ اور دوسری طرف ہر ایک کے نام کے سامنے ان کی مرویات کی مجموعی تعداد لکھی گئی ہے۔

(نقشہ صفحہ ۵۲ پر ملاحظہ فرمائیے)

مذہب شریعت	ان صحابہ کرام کے نام جنہوں نے احادیث کو قلم بند کیا	مرویات کی تعداد
۱	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے عہد رسالت میں احادیث کو قلم بند کیا۔ اور پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے تصدیق حاصل کی۔	۱۲۸۶
۲	حضرت عبداللہ بن عمرو بن عباس رضی اللہ عنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے احادیث کو لکھا۔ اور جن کی مرویات حضرت ابوہریرہ کے بیان کی بنا پر پانچ ہزار تین سو چوبیس سے زیادہ ہونی چاہتے۔	۶۰۰۰
۳	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سب سے زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔ اور جنہوں نے اپنی مرویات کو قلم بند کر لیا تھا اور جس کی نقلیں اسی زمانہ میں لوگوں کے پاس پہنچ چکی تھیں۔	۵۳۷۳
۴	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہوں نے احادیث کو لکھا اور جن کے لکھے ہوئے نسخوں کی نقلیں ان ہی کے زمانہ میں لوگوں میں پھیل گئیں۔	۲۶۶۰
۵	حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنہوں نے احادیث کو جمع کیا، اور جس مجموعہ نے صحیفہ علی کے نام سے شہرت پائی۔	۵۸۶

۱۵۹۰۶ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مرویات کی تعداد (۶۸۶) لکھی ہے لیکن ماخذ نہیں لکھا ہے۔ ممکن ہے کتابت کی غلطی سے (۵۸۶) کے بجائے (۶۸۶) ہو گیا ہو۔ (تخریج اصحاح ۲۲۲)

ایک طرف تو واقعات یہ ہیں کہ خود عہد رسالت میں صحابہ کرام کے ہاتھوں سے تقریباً سولہ ہزار حدیثیں قلم بند ہو چکی تھیں، اور ان صحابہ کرام کے مجموعوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے جن کی مرویات کی تعداد کا مجھ کو علم نہیں، اور دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ بخاری اور مسلم کی غیر مشترک

۱۔ صحیح مسلم۔ الامام الحافظ مسلم بن الحجاج القشیری کی تصنیف ہے امام مسلم کی پیدائش ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ امام مسلم نے علم حدیث کی تحصیل میں حجاز، عراق، شام، مصر بغداد اور دوسرے بلاد اسلامیہ کا سفر کیا۔ اور یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری۔ امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث سے اس فن کو حاصل کیا اور ایسی دستگاہ حاصل کی، کہ ان کے تمام ہم عصروں نے امام مسلم کے فضیل و شرف کو تسلیم کر لیا۔ اور ائمہ حدیث نے امام مسلم سے روایت کی، خصوصاً صحت و سقم حدیث کی معرفت میں ان کو اپنے تمام ہم عصروں میں امتیاز حاصل تھا۔ حافظ ابو علی نیشاپوری اور مغربہ کی ایک جماعت تو صحیح مسلم کو حدیث کی تمام کتابوں پر فوقیت دیتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ امام مسلم نے اپنی کتاب میں صرف ان ہی احادیث کو درج کیا ہے جس کے راوی امام مسلم سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر دور اور طبقہ میں کم از کم دو اشخاص رہے ہوں یعنی اس حدیث کو کم از کم دو صحابہ نے اور ان سے دو تابعی نے اور پھر ان سے دو تبع تابعی نے یہاں تک کہ دور ادیوں نے امام مسلم سے بیان کیا ہو۔ اس کے علاوہ امام مسلم نے راوی کے لئے صرف عادل ہی ہونا کافی نہیں سمجھا ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک راوی کو شہادت کی شرائط پر بھی پورا اترنا چاہئے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۵۴ پر)

احادیث کی مجموعی تعداد تقریباً آٹھ ہزار ہے۔ (اکمال فی اسرار الرجال برمشکوٰۃ شریف ص ۲۲۶)  
 یعنی صحابہ کرام کی قلمبند کی ہوئی احادیث سے بھی نصف، پھر سمجھ میں نہیں آتا  
 کہ احادیث کی موجودہ کتابوں کو محض اس بنیاد پر کہ ان کی تصنیف رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں ہوئی۔ کیونکر چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ اور منکرین احادیث کا یہ  
 کہنا کہ احادیث کی کتابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نہیں ہوئی۔ بلکہ ڈیڑھ سو  
 برس کے بعد احادیث کو قلمبند کیا گیا۔ ایک ایسا تاریخی بہتان ہے جس کی نظیر ملنا مشکل  
 ہے۔ (نعوذ باللہ من ہذہ الہضوات)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳) امام مسلم کی اور بھی متعدد تصانیف ہیں۔ اور ہر ایک تصنیف  
 ان کے علم و فضل کی شاہد ہے۔ ایک مشہور امام حدیث ابو حاتم رازی نے امام مسلم کو  
 خواب میں دیکھا، پوچھا کہ کیا حال ہے۔ امام نے جواب دیا، کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو  
 میرے لئے مباح کر دیا ہے کہ جہاں چاہوں رہوں۔

صحیح مسلم کی صحت و مقبولیت کا اندازہ ایک اور واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ابو علی زاغونی کو ایک  
 شخص نے خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ کونسی چیز آپ کی نجات کا ذریعہ بنی، زاغونی نے جواب دیا کہ مجھ کو  
 ان اوراق کے ذریعہ نجات ملی جو میرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ اوراق صحیح مسلم کے تھے۔  
 امام مسلم کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (بستان المحدثین ص ۱۱۶)

۱۱۱۱ اکمال فی اسرار الرجال، شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی کی  
 تصنیف ہے۔ جن کا ذکر مشکوٰۃ المصابیح کے ضمن میں گذر چکا۔

اس موقعہ پر یہ خیال رہے کہ مذکورہ بالا تعداد ان حدیثوں کے علاوہ ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھی گئیں۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ مذکورہ بالا تعداد کے سوا لکھی ہوئی احادیث کا ایک معتد بہ حصہ وہ بھی ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے صحابہ کی مختلف جماعتیں لکھتی رہیں، ان میں سے بعض جماعتیں تو وہ ہیں جو مجلس نبوی میں بیٹھ کر لکھتی تھیں۔ اور جس کی شکل بالکل املا کی سی ہوتی تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے، جو دارمی ص ۶۸ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور بعض وہ جماعتیں تھیں جو مجلس نبوی میں بیٹھ کر حدیثیں سنتی تھیں۔ اور مجلس برخواست ہونے کے بعد قلم بند کر لیتی تھیں۔ جیسا کہ حضرت رافع بن خدیج کی روایت سے معلوم ہوا جو مجمع الزوائد ص ۱۵۱ سے نقل کی گئی ہے۔

اتنی کھلی ہوئی شہادتوں اور ایسے روشن واقعات کے بعد تو غالباً یہ خیال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کو قطعاً منع فرما دیا تھا۔ یا صحابہ کرامؓ نے احادیث کو قلمبند نہیں فرمایا۔ بلکہ اوپر جو شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔ ان کو سامنے رکھتے ہوئے شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو احادیث کی کتابت کی ترغیب دی۔ اجازت دی اور حکم بھی فرمایا اور صحابہ کرام نے نہایت محنت اور مستعدی سے احادیث کو قلم بند کیا اور اس کی اشاعت کی۔

اب رہا یہ سوال کہ آخر اس حدیث کا مطلب اور محل کیا ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضاً کو مخاطب کرتے ہوئے کتابت حدیث سے منع فرمایا۔ اور جو کچھ قلم بند ہو چکا تھا اس کے ضائع کرنے کا حکم دیا۔

منع کتابت والی حدیث جس کو منکرین حدیث بڑے زور و شور سے پیش کرتے ہیں اور جس پر اپنے فاسد خیالات کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یہ ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اسے بیٹھ کر لکھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور فرمایا کہ کیا لکھ رہے ہو، ہم نے عرض کیا کہ جو کچھ بھی آپ سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ ساتھ ایک اور کتاب لکھی جا رہی ہے؟ اللہ کی کتاب کو علیحدہ کر دو اور خالص کرو پس ہم نے جو کچھ بھی لکھا تھا جمع کر کے جلا دیا۔

عن ابی سعید الخدری قال  
کنا نقوداً نکتب ما نسمع من  
النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
فخرج علینا فقال ما هذا  
تکتبون فقلنا ما نسمع منك  
نقال کتاب مع کتاب اللہ  
محمضوا کتاب اللہ واخلصوا  
قال فجمنا ما کتبنا فی  
صعید واحد لئلا حرقنا  
در مجمع الزوائد ص ۵۹ ج ۱

میرا خیال ہے کہ اس حدیث میں اور ان روایتوں میں جس میں کتابت حدیث کی اجازت یا حکم دیا گیا ہے یا ان شہادتوں میں جو



کتابتِ حدیث کے متعلق اُوپر درج کی گئی ہیں۔ کوئی تعارض نہیں ہے۔

صورتِ حال یہ تھی کہ قرآن مجید کھوڑا کھوڑا نازل ہو رہا تھا کچھ سورتیں یا آیتیں آج نازل ہوئیں کچھ کل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سورۃ یا آیت کے نزول کا اعلان فرماتے۔ اور پھر آیت کی تشریح میں یا کسی دوسرے معاملہ کے متعلق کچھ ارشاد فرماتے۔ صحابہ کرامؓ ان ساری چیزوں کو ایک ہی کاغذ پر لکھ لیا کرتے، جیسا کہ منع کتابتِ وحی سے معلوم ہوتا ہے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا، کہ تم یہ کیا لکھ رہے ہو، تو انھوں نے عرض کیا، کہ جو کچھ بھی آپ سے سنتے ہیں۔ اس میں قرآن و حدیث کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ نبی کی دو بین نگاہ اس کو کب گوارہ کر سکتی تھی کہ صحابہ کے ہاتھوں کوئی ایسی چیز عمل میں آئے جن کی بنیاد پر زائعین کو کلام اللہ کی حفاظت کے سلسلے میں موشگافیاں کرنے کا موقع حاصل ہو جائے اور آنے والی نسل کے لئے احکامِ خداوندی اور احکامِ نبوی میں خلطِ ملط کا شبہ پیدا ہو جس کی بنیاد پر دین کے رخنہ انداز کلامِ الہیہ میں بھی اس قسم کی چمکیوتیاں شروع کر دیں جس طرح کی آج کل احادیثِ نبوی کے بارے میں کر رہے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ جب دونوں چیزیں ایک ساتھ لکھی جائیں گی، تو پھر اس میں امتیاز کرنا کہ اس میں کون سا حصہ قرآنِ مجید کا ہے اور کون سا کلمہ حدیث کا ہے۔ مشکل ہو جائے گا۔ اور یہ بڑی خطرناک چیز ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں کوئی فرق نہ رہے۔ دونوں

کو ایک ساتھ اس طرح لکھا جائے، کہ تمیز مشکل ہو۔

چنانچہ جب صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، کہ جو کچھ بھی ہم آپ سے سنتے ہیں۔ لکھ لیتے ہیں۔ تو آپ نے تعجب سے فرمایا کہ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ ساتھ ایک اور کتاب لکھی جا رہی ہے۔ یعنی اللہ کی کتاب کے ساتھ ایک دوسری کتاب کا اس طرح لکھنا کہ دونوں میں امتیاز باقی نہ رہے، کسی طرح روا نہیں۔ آپ نے اظہار تعجب کے بعد یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ دوسری کتاب نہ لکھو، بلکہ یہ ارشاد ہوا کہ اُحْضِرُوا كِتَابَ اللَّهِ وَالْخُلَصْرَةَ اللّٰهِ كِتَابَ كُوْعَلِيٍّ رَہ كرو۔ اور خالص کرو۔ دوسری کتاب کے ساتھ بلا کر نہ لکھو۔ حضرت سعیدؓ فرماتے ہیں، کہ اس کے حکم کے بعد ہم نے جو کچھ بھی قرآن و حدیث بلا کر لکھا تھا۔ جمع کیا اور جلا دیا۔ منع کتابت والی حدیث کا یہ صاف اور کھلا ہوا مطلب ہے۔ اس حدیث سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی کتابت کو مطلقاً منع فرما دیا تھا کہ اب اس کے بعد کسی صحابی کو حدیث لکھنے کی جرأت نہ کرنی چاہئے تھی بلکہ اس کے الفاظ صاف طرے سے بتلاتے ہیں کہ اس میں کتابت کے اس طریقہ سے روکا گیا ہے۔ جس سے قرآن و حدیث کا باہمی فرق و امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کاغذ وغیرہ کی کمی یا کسی اور وجہ سے دونوں کو ایک ہی کاغذ پر ساتھ ساتھ لکھتے جاتے تھے۔

میرے اس بیان کی تائید حضرت ابو بردہؓ کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

۱۔ ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری تابعی ہیں، اپنے والد حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت عائشہؓ (باقی حاشیہ صفحہ ۵۹ پر)

ابی بردہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے  
والد سے ایک کتاب نقل کی تھی۔ تو  
انہوں نے فرمایا کہ اگر اس میں اللہ  
کی کتاب نہ ہوتی تو میں جلا دیتا  
پھر ایک برتن میں پانی منگو اور اس کو  
دھویا۔

عن ابی بردہ بن ابی موسیٰ  
قال کتبت عن ابی کتاباً  
فقال لولا ان فیہ کتاب  
اللہ لاحتہ لثمّ دعا بمن  
او باجانیتہ فغسلہا۔  
رجمع النوائد۔ ج ۱ ص ۶۱

معلوم ہوا کہ دوسری کتاب کلام اللہ کے ساتھ ایک ہی کاغذ پر لکھی  
ہوئی تھی۔ جب تو حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ اگر اس کتاب میں اللہ  
کی کتاب لکھی نہ ہوتی تو میں جلا دیتا۔ لیکن کلام اللہ کا احترام کتاب کو  
جلانے سے روکتا ہے اس لئے پانی سے اس کو مٹایا۔

پھر جب کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ کا فرق صحابہ کرام کے ذہن  
نشین ہو گیا۔ اور ایک ساتھ لکھی ہوئی کتابیں ضائع کر دی گئیں۔ اور یہ  
یقین ہو گیا کہ صحابہ کرام قرآن و حدیث کو ایک ساتھ ایک ہی کاغذ پر لکھیں گے  
تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو کتابت حدیث کی اجازت  
دی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کو قلم بند کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام سے حدیث کی روایت کی ہے، قاضی  
شرح کے بعد کوفی کے قاضی رہے۔ بیاسی برس عمر پائی۔ باختلاف روایت ۱۰۳ھ  
۱۰۴ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۱۸)

اس لئے منع کتابت والی حدیث کا ان روایتوں سے کوئی تعارض نہیں، جس میں کتابت حدیث کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا محل دوسرا ہے۔ اور اس کا محل دوسرا۔ کھینچ تان کر حدیث کے مطلب کو اپنے خیال کے موافق کرنے کی ناکام کوشش کرنا تحقیق کا دیانت دارانہ طریقہ نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی صاف طریقہ پر سوچنے کی ہے۔ وہ منکرین حدیث منع کتابت والی حدیث کا مطلب غلط بیان کر کے حدیث کے بیش بہا اور مستند ذخیرہ کو ناقابل اعتبار کہتے ہیں۔ لیکن آخر یہ منع کتابت والی حدیث ان کو کہاں سے ملی؟ یہ حدیث بھی تو ان ہی کتابوں میں ہے جسے وہ غیر مستند بتلا رہے ہیں۔ تو پھر تحقیق کا یہ کونسا طریقہ ہے۔ کہ ایک ہی کتاب کی ایک حدیث کو قابل اعتبار قرار دے کر بقیہ پوری کتاب کو رد کر دیا جاتے۔ اور اس کتاب میں جو روایت اپنے خیال کی تائید کرتی ہو اس کو تو صحیح کہا جاتے، اور بقیہ تمام روایتیں غیر مستند ٹھہرائی جاتیں۔ اگر منکرین حدیث کے خیال میں واقعی پورا ذخیرہ حدیث ناقابل اعتبار ہے تو منع کتابت والی حدیث کو بطور استدلال پیش کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

اس مسئلہ پر ایک اور حیثیت سے بھی غور کیا جاسکتا ہے۔ کہ آخر ہر زمانہ میں اور آج بھی مطالعہ کے لئے کتابوں کے انتخاب میں کیا طریقہ کار رہا ہے۔ پڑھے لکھے لوگ کس قسم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، اور کیسی کتابوں پر اعتبار کرتے ہیں۔ آج بھی ہم اور آپ اگر کسی کتابت کو دیکھنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے نگاہ اس کتاب کے مصنف کو ڈھونڈتی ہے۔ اگر مصنف کوئی جانی پہچانی شخصیت ہے

جس کے علم و فضل کا لوگوں کو اعتراف ہے جس کی دیانت داری اور راستبازی باکمالوں کے نزدیک بھی لائق ستائش ہے۔ اگر اس نے اپنے علم و اخلاق کے ذریعہ علمی دنیا میں اپنی ساکھ قائم کر لی ہے۔ تو ایسے شخص کی تصانیف کا ہم مطالعہ بھی کرتے ہیں۔ اور اس کی کتاب کو قابل اعتبار بھی سمجھتے ہیں۔ اس کتاب کے حوالے بھی دیتے ہیں اور علمی دنیا ان حوالوں کو تسلیم کرتی ہے۔ اور اگر کوئی مصنف علمی اور اخلاقی معیار سے گرا ہوا ہے۔ تو اس کی کتاب کو تفریحاً پڑھ لینا دوسری بات ہے۔ لیکن کوئی علمی شخص نہ تو ایسی کتابوں کو پڑھنا پسند کرتا ہے۔ اور نہ لائق اعتبار سمجھتا ہے۔ غرض کسی کتاب کے قابل استناد ہونے یا نہ ہونے میں مصنف کو سب سے بڑا دخل ہوتا ہے۔ رات و دن ہمارا آپ کا کتابوں کے معاملہ میں یہی طریقہ کار ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ حدیث کی موجودہ کتابوں کے متعلق بھی یہی اصول نہ برتا جائے۔ اور ان کے قابل اعتبار ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کتابوں کے مرتبین کو سامنے رکھ کر نہ کیا جائے۔

حدیث کی موجودہ کتابوں کے جامعین کے متعلق تاریخ میں جو واقعات موجود ہیں ان کو اگر جمع کیا جائے تو ہر ایک کے لئے علیحدہ مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں نہ اس کا موقع ہے اور نہ حاجت، لیکن یہ واقعہ ہے کہ حضرات محدثین کے ہمعصروں نے ان کے فضل و کمال کے جو واقعات لکھے ہیں، ان کی بنیاد پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ایسی شخصیتیں ان کے بعد شاذ و نادر ہی گزری ہیں۔

اس جگہ صرف دو چار واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

صحاح ستہ میں ایک کتاب موطا ہے۔ جس کے جامع حضرت

امام دارلہجرہ مالک بن انس الحمیری المدنی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ (باقی حاشیہ ص ۶۲ پر)

امام مالکؒ ہیں۔ امام موصوف علم و فضل و ورع تقویٰ میں جس بلند مقام کے مالک ہیں، وہ کسی پڑھے لکھے شخص سے پوشیدہ نہیں آج بھی عالم اسلامی میں لاکھوں انسان ان کی پیروی کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱) امام مالک تابعی ہیں ۹۵ھ میں پیدا ہوئے، صاحب مذہب متبوع ہیں۔ عالم اسلامی میں آج بھی لاکھوں مسلمان آپؒ کی تقلید کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ اور امام موصوف ہی کے نام کی مناسبت سے مالکی کہلاتے ہیں۔ ایہ اربعہ میں یہ خصوصیت صرف امام مالکؒ ہی کو حاصل ہے کہ حدیث میں کتاب ترتیب دی بقیہ ایہ کی طرف مسندوں کے ترتیب دینے کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ امام مالکؒ کی جلالت شان ان ناقتا سے معلوم ہوگی جو مقالہ میں لکھے گئے ہیں۔

موطا حدیث کی سب سے پہلی کتاب ہے جو فقہی نقطہ نگاہ سے لکھی گئی ہے۔ اور محدثین کی ایک جماعت اس کو صحیح بخاری اور مسلم پر بھی فوقیت دیتی ہے۔ طبقات ابن سعد میں امام مالکؒ ہی کا ایک بیان درج کیا ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے حج کے موقع پر امام مالکؒ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپؒ کی کتاب موطا کی نقلیں کرا کے پوری مملکت میں بھجوں، اور اسی کتاب پر عمل کرنے کا حکم دوں۔ امام مالکؒ نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین ایسا نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی لوگوں نے اپنے اسلاف سے حدیثیں سنی ہیں۔ اور وہ حدیثیں بتام پہل چکی ہیں۔ اور لوگ ان پر عامل ہیں۔ اس لئے ہر دیار کے لوگوں کو اس مسلک پر چھوڑ دیا جائے جو انھوں نے حدیث ہی کی بنیاد پر اختیار کیا ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید نے امام مالکؒ سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ موطا کو خانہ کعبہ میں لٹکاؤں اور لوگوں کو اسی کتاب پر عمل کرنے کے لئے ابھاردوں، امام مالکؒ نے کہا۔ ایسا نہ کیجئے۔ خود اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فروع میں اختلاف تھا۔ اور وہ صحابہ مختلف دیا ہیں (باقی حاشیہ صفحہ ۶۳ پر)

امام موصوف کے متعلق حضرت عبداللہ بن مبارک (جو خود بھی تفسیر حدیث وفقہ وقرأت کے امام ہیں) کا بیان ہے، کہ امام مالکؒ مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ میں بھی درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ درس ہو رہا تھا۔ اور امام مالکؒ حدیث بیان کر رہے تھے، درس کے دوران میں مُتَعَدِد دفعہ امام کا چہرہ متغیر ہوا اور زرد پڑ گیا۔ اور ایسا محسوس ہوا کہ کوئی سخت اذیت پہنچی لیکن امام موصوف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲) کہیں گئے۔ اور ہر ایک مسلمان نے کسی ایک صحابی کی تقلید کر کے اپنے لئے نجات کی راہ بنالی ہے۔ رئیس الحدیث امام ابو نعیم رازی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو موطا کی صحت کی قسم کھا کر طلاق دے تو وہ حانت نہیں ہوگا۔ (اتحاف النبلاء ص ۱۶۲ ص ۱۶۵)

ان واقعات سے موطا امام مالکؒ کی صحت اور اس کے بلند رتبہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے۔ سلیمان لقیٹی۔ عم صم الاحوال اور حمید الطویل وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی۔ خود امام ابن مبارکؒ فرماتے ہیں، کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سنی ہے۔ اور اب ایک ہزار شیوخ سے روایت کرتا ہوں، اور خود امام سے مختلف ملکوں کے بے شمار لوگوں نے حدیث کی سماعت کی ہے اس لئے کہ بچپن سے لے کر آخر عمر تک براہِ سفر ہی کرتے رہے۔ حج بھی بہت کئے۔ متعدد جہادوں میں شریک ہوئے۔ علم حدیث کے ساتھ اسقدر شغف تھا کہ علی بن حسن بن شقیق کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جاڑے کی رات میں عشار کی نماز کے بعد امام ابن مبارکؒ کے ساتھ میں اٹھا، کہ مسجد سے باہر نکلوں، انھوں نے مسجد کے دروازے پر مجھے ایک حدیث یاد دلانی (باقی حاشیہ ص ۱۶۲)

نے درس جاری رکھا۔ حدیہ کہ تکلیف کے باعث چہرہ کا رنگ زرد ہو گیا۔ مگر امام نے پہلو تک نہ بدلا۔ جس پہلو پر حدیث کا درس شروع ہوا تھا۔ اسی پہلو پر ختم کیا۔ جب درس ختم ہوا۔ تو حضرت عبد اللہ بن مبارک نے عرض کی، کہ دورانِ درس میں میں نے آپ پر سخت تکلیف کا اثر محسوس کیا، وجہ کیا تھی؟ حجرہ سے واپس آ کر امام مالکؒ نے فرمایا کہ ایک چھوٹی کپڑے میں چلا گیا تھا۔ اور اس نے دس جگہ سے زیادہ ڈنک مارا۔ اسی تکلیف نے میرے چہرے کو متغیر کیا۔ عبد اللہ بن مبارکؒ نے عرض کیا کہ تو پھر درس روک کر اسے جھاڑ لیا جاتا۔ اسی تکلیف برداشت کرنے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳) میں نے بھی ایک حدیث کا تذکرہ کیا۔ یہ تذکرہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ مؤذن نے آکر صبح کی اذان دی۔

ایک فقہ عبد اللہ بن مبارکؒ کے معاصرین جمع تھے کسی نے کہا کہ ابن مبارک کے اوصاف و فضائل بتاؤ سب لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ابن مبارک وہ شخص ہیں جن میں علم، فقہ، ادب، سخو، لغت، زہد، شجاعت، فصاحت، قیام لیل، حج، جہاد اور انصاف جمع ہو گیا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کے معاصرین کو ان سے بہت ہی کم اختلاف ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ خدا کی قسم میں ابن مبارکؒ سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں اور انکی محبت سے میں اپنے لئے خیر اور اجر کا امیدوار ہوں۔ اور میری یہ محبت اس لئے ہے کہ اللہ نے ان میں تقویٰ، عبادت، اخلاص، جہاد اور وسعتِ علم کو جمع کر دیا ہے۔

عبد اللہ ابن مبارکؒ نے ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵)



ضرورت ہی کیا تھی۔ امام مالکؒ نے اس کا جو جواب دیا۔ وہ سننے کے لائق ہے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی عظمت نے مجھ کو اجازت نہ دی  
کہ میں درس کو بند کر دوں یا پہلو بھی بدل دوں۔ (بستان ص ۴)

امام مالکؒ کے دل و دماغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
عظمت کے کیا اثرات تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ  
امام موصوف نے حالت مرض کے علاوہ تمام عمر حرم مدینہ میں قضائے حاجت  
نہیں کی۔ اور کبھی مدینہ میں گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی  
تو جواب دیا، کہ مجھ کو شرم آتی ہے۔ کہ جس مقدس سر زمین میں سرکارِ دو عالم  
صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار مبارک ہو۔ اس زمین کو گھوڑے کے پیروں  
سے روندوں۔ (بستان ص ۶)

امام موصوف کو اوائل ہی سے علم حدیث کے ساتھ خاص محبت تھی اور  
اس علم کے حصول میں ہر قسم کی قربانی کے لئے وہ تیار تھے بستان الحدیث  
میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے تحصیل علم کے زمانہ میں جو غربت کا دور کھتا  
جب سب کچھ خرچ کر چکے اور کوئی چیز پاس نہ رہی تو گھر کے چھت کے  
شہتیر اور کڑیاں اکھاڑ اکھاڑ کر فروخت کیں۔ اور اس سے جو پیسے  
ملے اس کو تحصیل علم میں صرف کیا۔ (بستان ص ۵)

سہل ابن مزاحم (جو اپنے وقت کے مشہور شیوخ اور زاہدوں  
میں گذرے ہیں) فرماتے ہیں کہ مجھ کو ایک شب حضرت رسالت مآب  
صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں نصیب ہوئی میں نے عرض کی

یا رسول اللہ آپ کا بابرکت زمانہ گزر چکا۔ اب اگر دینی مسائل میں کوئی شبہ پیدا ہو تو کس کے پاس جائیں۔ ارشادِ نبویؐ ہوا کہ مالک بن انس سے پوچھ لیا کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موطا کو اس قدر مقبول بنا دیا کہ براہِ راست امام مالکؒ سے اس کتاب کے پڑھنے اور سننے والے تقریباً ایک ہزار ہیں، ہر طبقہ کے لوگ جس میں حکام وقت، رؤسا، فقرا، علماء سب ہی شریک ہیں۔ امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور کم از کم تبرکاً ہی موطا کی سماعت کر لیتے۔ (لبستان ص ۸۱)

حدیث کی ایک مشہور ترین کتاب بخاری شریف ہے، اس کے جامع اور مرتب محمد بن اسمعیل بخاریؒ ہیں۔ امام بخاریؒ کے فضائل و مناقب پر متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے موصوف کے بلند مراتب کا اندازہ ہو سکتا ہے، حامد بن اسمعیلؒ محدث جو امام بخاری کے ہم درس ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک شیخ کے پاس حدیث سننے جا رہے تھے۔ ہم لوگوں کے پاس لکھنے کا سامان رہتا تھا کہ شیخ سے جو حدیثیں سنیں۔ اس کو قلم بند کر لیں۔ لیکن امام بخاریؒ برابر خالی ہاتھ جاتے اور حدیثیں سن کر واپس چلے آتے۔ ہم لوگوں نے امام بخاریؒ سے کہا کہ لکھنے کا سامان آپ ساتھ نہیں لے جاتے۔ حدیثیں صرف سن لیتے ہیں قلمبند نہیں کرتے، تو پھر اس نے جانے سے فائدہ ہی کیا۔ ہم برابر انھیں کہتے رہے، لیکن انھوں نے اپنا طریقہ نہیں بدلا۔ سو پھویں روز جب امام بخاریؒ ہم لوگوں کی فہمائش سننے سننے عاجز آ گئے، تو کہا کہ تم لوگوں

نے مجھ کو تنگ کر دیا۔ اچھا حدیثیں تم نے تو قلمبند کی ہیں۔ اور میں نے حافظہ میں محفوظ رکھی ہیں۔ تم اپنی لکھی ہوئی حدیثیں لے آؤ، اور میرے حافظہ سے مقابلہ کر لو۔ حامد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ اتنے دنوں میں ہم لوگوں نے پندرہ ہزار حدیثیں قلمبند کی تھیں۔ یہ تمام حدیثیں امام بخاریؒ نے زبانی پڑھنا شروع کیں۔ تو اس قدر صحیح یاد رکھیں، کہ ہم لوگوں نے ان کی زبانی روایت سے اپنی لکھی ہوئی حدیثوں کی تصحیح کی۔ (لبستان ص ۱۱۳)

محدثین کرام کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو اپنے رسول کے اقوال و افعال کے جمع و حفاظت ہی کے لئے مامور فرمایا تھا۔ اور قدرتی طریقہ پر ان میں وہ صلاحیتیں مہیا کی تھیں جو حفاظت حدیث کے لئے قدرتی عوامل کا کام کر سکیں۔ محدثین کی قوتِ حافظہ کے متعلق ایسے ایسے واقعات مستند کتابوں میں موجود ہیں۔ جن سے حیرت ہوتی ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ موجودہ دنیا جو گھر کی بات باہر جا کر بھول جاتی ہے اس کو تو شاید ان واقعات پر یقین بھی مشکل سے آئے گا۔ مگر کسی کو یقین آئے نہ آئے، واقعہ تو بہر حال واقعہ ہے۔ خود امام بخاریؒ کی قوتِ یادداشت کا اندازہ آپ کو ذیل کے واقعہ سے ہوگا۔

مشہور مورخ خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے، کہ امام بخاریؒ بغداد آئے۔ بغداد والوں کو حدیث سے خاص ذوق تھا ہی، آمد کی خبر سن کر لوگ امام کا امتحان لینے کے لئے جمع ہوئے اور طریقہ یہ اختیار کیا کہ

ایک سو حدیثوں کے متن اور اسناد دونوں میں الٹ پھیر کر دیا۔ اور ایک حدیث کی سند کو دوسری حدیث کے متن میں جوڑ دیا۔ اور اس طرح کی سو حدیثیں دس اصحاب کے سپرد کیں۔ کہ ہر ایک شخص اس طرح کی دس حدیثیں امام بخاری سے پوچھے۔ اور ایک خاص مجلس میں امام بخاری کا امتحان شروع ہوا۔ ان دس اصحاب میں سے ایک شخص کھڑا ہوا۔ اور اس نے دس حدیثیں امام سے پوچھیں۔ امام نے جواب دیا۔ کافر فہ۔ (میں ان حدیثوں کو نہیں جانتا) دوسرا کھڑا ہوا۔ اس نے بھی دس حدیثیں پوچھیں۔ امام نے پھر وہی جواب دیا کہ کافر فہ۔ اس طرح سب پوچھتے گئے، اور امام بخاری وہی ایک جواب دیتے رہے جب دسوں اصحاب اپنے سوالات پوچھ چکے، اور ایک سو حدیثیں ختم ہو گئیں۔ تو امام بخاری اس شخص کی طرف مخاطب ہوئے جس نے سب سے پہلے دس حدیثیں پوچھی تھیں۔ اور فرمایا کہ آپ نے جو پہلی حدیث اس طرح پڑھی تھی، وہ اس طرح ہے۔ اس کا متن یہ ہے اور اسناد یہ ہے۔ اس طرح پہلے سائل کی دسوں حدیثوں کو بتلایا پھر دوسرے پوچھنے والے کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور اس کو بتلایا۔ اسی طرح ترتیب کے ساتھ ان دسوں پوچھنے والوں میں سے ہر ایک کا جواب دیا۔ اس تعجب میں ڈالنے والے واقعہ کے بعد پورا بغداد جو اصحاب حدیث کا مرکز تھا۔ ان کے علم و فضل اور قوت حافظہ کا قائل ہو گیا اسی لئے امام بخاری محدثین کی جماعت میں امیر المؤمنین فی الحدیث کے

خطاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ (اتحاف النبلاء ص ۳۴۹)  
 امام بخاریؒ کے علوتے مرتبت کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے کیا  
 جاسکتا ہے۔ امام موصوف فرمایا کرتے تھے کہ میں اُمید رکھتا ہوں،  
 کہ قیامت میں مجھ سے غیبت کے متعلق سوال نہ ہوگا، کیوں کہ میں  
 نے آج تک کسی کی غیبت نہیں کی، غور کیجئے یہ معمولی تقویٰ نہیں  
 پوری زندگی میں زبان پر کسی کی غیبت نہ آئے، یہ امام موصوف ہی  
 کی خصوصیت ہے۔ (اتحاف النبلاء ص ۳۵۱)

امام بخاریؒ نے احادیث کے جمع کرنے میں، اور ہر ایک حدیث کی  
 تحقیق میں۔ جس محنت و جانفشانی سے کام لیا ہے، اس کی نظیر ملنی  
 مشکل ہے۔ بعض موقع پر امام موصوف نے صرف ایک حدیث یا کسی  
 ایک حدیث کے کسی ایک راوی کی تحقیق اور جانچ کے لئے سینکڑوں میل  
 پاپیادہ سفر کیا ہے، اور پوری تشریفی ہو جانے کے بعد اس کو اپنی کتاب  
 میں درج کیا ہے۔

بخاری شریف کی ترتیب کا ارادہ امام کے ذہن میں کیوں پیدا ہوا، اور کس  
 اہتمام اور حسن نیت سے امام نے اس کو جمع کیا۔ وہ بھی سن لیجئے۔  
 خود امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ میں اسحاق بن راہویہؒ محدث

---

۱۔ اسحاق بن راہویہؒ مشہور محدث اور امام بخاری کے استاد ہیں۔ ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن  
 عباس نے لکھا ہے کہ اسحق اپنے زمانہ میں علم حدیث، فقہ اور (باقی حاشیہ صفحہ ۷۰ پر)

کی مجلس میں حاضر تھا۔ کسی نے محدث موصوف سے عرض کیا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دے کہ وہ ایک مختصر سی کتاب حدیث میں ترتیب دے اور اس میں صرف ان ہی حدیثوں کو لکھے، جو صحت کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں، تو کیا اچھا ہو، امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی، اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ ایک ایسی ہی کتاب مرتب کرنی چاہئے۔ چنانچہ میں نے ان احادیث کا انتخاب شروع کیا، جن کی صحت کا معیار نہایت اعلیٰ ہے۔ اور پھر امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔

ما رَضَعْتُمُ، كِتَابِي الصَّحِيحُ	کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایک
حَدِيثًا اِلاَّ اَخْتَلَفْت	حدیث بھی ایسی درج نہ کی جس کے لکھنے
قَبْلَ ذَالِكَ وَصَلِّيتُ	سے پہلے غسل نہ کیا ہو، اور دو رکعتیں نہ
رَكَعَتَيْنِ۔ (تہذیب جلد ۹ ص ۲۹)	پڑھ لی ہوں۔

چنانچہ اس اہتمام اور حسن نیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بخاری شریف کو شرف قبول بخشا، اور دنیا کی نگاہوں میں یہ کتاب اس درجہ مقبول ہوئی۔ کہ خود امام بخاریؒ سے براہ راست اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹) حفظ روایات کے امام تھے۔ امام ابو داؤدؒ اور خفافؒ کا بیان ہے۔ اسحق نے ہم لوگوں کو محض حافظہ سے گیارہ ہزار حدیثیں لکھوائیں۔ اور ہمارے لکھے ہوئے کی تصحیح کے لئے دوبارہ ان تمام حدیثوں کو پڑھا۔ تو وہ ایک حرف زیادہ ہوا نہ کم۔ (۲۳۶ ص ۱۱۶ تا ۱۹)

کتاب کو نوٹے ہزار اشخاص نے پڑھا۔ اور اجازت حاصل کی، اور امام کے بعد ہر عصر و زمانہ میں اس کی مقبولیت کا یہی عالم رہا ہے اور آج بھی یہی حال ہے۔

بخاری شریف کی حیثیت اور اس کے بلند پایہ اور صحیح ترین کتاب ہونے کا اندازہ ایک اور واقعہ سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

ابوزید محمد بن احمد مرزوی کا بیان ہے کہ میں خانہ کعبہ میں رکن و مقام کے درمیان سویا ہوا تھا، کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضور نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ابوزید شافعی کی کتاب کب تک پڑھاتے رہو گے، میری کتاب کیوں نہیں پڑھاتے، میں نے پریشان ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں آپ پر قربان! آپ کی کتاب کو نسی ہے۔ ارشاد ہوا جامع محمد بن اسمعیل بخاری۔ امام الحرمین سے بھی اس قسم کا خواب بخاری شریف کے متعلق منقول ہے۔ (بستان ص ۱۱۵)

امام بخاری کی نگاہوں میں علم حدیث اتنا ہی معزز اور محترم تھا کہ اس کی خاطر انھوں نے گھر بار چھوڑا۔ جلا وطنی اختیار کی، مگر اس علم کی عزت و حرمت کو باقی رکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری کے زمانہ میں خالد بن احمد ذیلی بخارا کے امیر (حاکم) تھے۔ خالد نے امام بخاری سے کہا بھیا کہ ہمارے یہاں آکر ہمارے لڑکوں کو بخاری شریف کا درس دے دیا کریں۔ امام نے جواب دیا کہ یہ علم حدیث ہے اس کو میں

ذلیل نہیں کر سکتا، اگر ان کو پڑھانا ہے، تو اپنے لڑکوں کو ہمارے حلقہ میں  
 درس میں بھیج دیا کریں۔ دوسرے طلباء کی طرح وہ بھی پڑھا کریں گے۔ میر  
 بخار نے کہلا بھیجا کہ اگر یہی ہے۔ تو میں اپنے لڑکوں کو سپاہیوں اور  
 چوہداریوں کے ساتھ بھیج دیا کروں گا۔ لیکن اس وقت دوسرے طلباء کو  
 ہٹا دیا جائے، اور صرف ہمارے لڑکوں کو درس دیا جائے۔ لیکن امام  
 بخاری نے اس کو بھی منظور نہیں کیا، اور جواب کہلا بھیجا کہ علم حدیث رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔ جس میں پوری امت حصہ دار ہے۔ کسی ایک  
 کی جاگیر نہیں۔ اس گفت و شنید سے امیر بخارا کے دل میں کدورت  
 پیدا ہوئی، اور کچھ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر اپنے ہی پاس ایک  
 محضر نامہ پیش کرایا۔ جس میں امام بخاری کے مسلک و اجتہاد پر طعن و  
 اعتراضات تھے۔ اور اسی بنیاد پر امام کو خارج البلد کر دیا۔ امام بخاری نے  
 حسرت و یاس کے ساتھ جلا وطنی کی زندگی اختیار کی اور بالآخر سمرقند  
 کے پاس خرتنگ نامی ایک گاؤں میں قیام کیا، اور وہیں وصال فرمایا۔  
 (ربستان ص ۱۱۱)

عبدالواحد طوسی کا جو اکابر صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں۔ بیان ہے کہ  
 میں نے ایک روز خواب میں دیکھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی  
 اللہ عنہم کے ساتھ کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ میں نے سلام کے بعد عرض کیا کہ  
 یا رسول اللہ کس چیز کا انتظار ہے۔ ارشاد ہوا۔ محمد بن اسماعیل بخاری  
 کے آنے کا۔ حضرت طوسی فرماتے ہیں، کہ چند روز کے بعد امام بخاری



کے وصال کی خبر ملی۔ جب میں نے تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ ان کے وصال کا وقت ہی تھا۔ جس وقت میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ (بستان ص ۱۱۲)

اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ جن کتابوں کے مصنفین اور جامعین کا یہ حال ہو، اور جو حضرات نہ صرف اپنے علم و فن میں بلکہ تقویٰ و طہارت و خلوص و للہیت میں بھی اپنی مثال آپ ہوں اگر ایسے حضرات کی کتابیں قابل اعتماد و لائق استناد نہ ہوں گی۔ تو دنیا میں کس کی تصنیف لائق اعتبار ہو سکتی ہے؟ اگر آپ دنیا میں کسی کی تصنیف پر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں، تو اس مصنف کی سوانح اور حالات زندگی کو سامنے رکھتے۔ اور پھر حضراتِ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کی سیرت کا مطالعہ کیجئے۔ اس کے بعد آپ آسانی سے رائے قائم کر سکیں گے کہ کون سی کتابیں قابل اعتبار ہیں۔ آخر کسی کتاب کے قابل اعتبار اور ناقابل اعتبار ہونے کا فیصلہ تو ان ہی طریقوں سے کیا جاسکتا ہے، کسی مصنف کی پیشانی پر تو لکھا ہوا نہیں ہوتا کہ اس کے قلم سے جو کتاب بھی نکلے گی، وہ بھروسہ کے لائق ہوگی۔ اگر اس قسم کا کتبہ لکھا ہوا بھی ہو، تو گزرے ہوئے مصنفین کی پیشانی دیکھنے کی کیا شکل ہوگی، سوائے اس کے کہ اچھے لوگوں کے بیانات پر اور سچے لوگوں کی تصنیفات پر اعتماد کیا جائے۔

کسی قدر صدمہ کی بات ہے کہ وہ تو میں جن کے ماضی کو امتداد

زمانہ نے اس قدر تاریک بنا دیا ہے۔ کہ قیاس، حسن ظن اور خوش فہمی کی تیز شعاعیں بھی اس کو روشن نہیں کر سکتیں۔ وہ لوگ تو محض من گھڑت قصوں، جھوٹے افسانوں اور بے بنیاد قیاس آرائیوں سے اپنے ماضی کی تاریخ مرتب کر رہے ہیں اور ایسے قصوں اور حکایتوں کو جس کے لئے ان کے پاس کوئی ثبوت اور سند نہیں ہے۔ ایک الہامی واقعہ بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ اور ایک ہم ہیں، کہ اپنے روشن ترین ماضی کو تاریک بنانا چاہتے ہیں، اور اپنی تاریخ کے ایسے ذخیرہ کو جس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی قوم اس سے زیادہ مستند ذخیرہ پیش نہیں کر سکتی بلا کسی بنیاد کے ناقابل اعتبار قرار دے رہے ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ دنیا میں ہزاروں قابل ذکر شخصیتیں گزری ہیں، جن کے حالات کا کھوڑا بہت ہمیں علم ہے۔ لیکن کیا ان قابل ذکر اشخاص میں سے کسی ایک شخص کا کوئی ایک واقعہ بھی مسلسل سند کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے؟ ان کا علم تو ہمیں اسی طریقہ پر ہوا ہے۔ کہ کسی کتاب میں ان کا اور ان کے حالات کا ذکر ہے۔ اور وہ کتاب کسی مصنف کی طرف منسوب ہے۔ لیکن اس کا کیا ثبوت ہے، کہ وہ کتاب اسی مصنف کی لکھی ہوئی ہے۔ اور اگر یہ نسبت صحیح بھی ہو تو اس کی کیا دلیل ہے۔ کہ جو حالات اس کتاب میں لکھے گئے ہیں۔ وہ صحیح ہیں۔ لیکن یہ شرف و فضل صرف محمد رسول اللہ صلعم کو حاصل ہے کہ آپ کی زندگی کے تمام واقعات اور حالات اٹھنا بیٹھنا کھانا

پینا غرضیکہ ہر نقل و حرکت مسلسل سند کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے۔  
جس کا سلسلہ ہم سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس صحابی پر ختم ہوتا ہے جس نے  
اس واقعہ کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا یا کانوں سے سنا تھا۔

اگر بخاری اور مسلم وغیرہ کی مسلسل اور مستند روایات کو شک  
اور شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے، اور ایسی مستند کتابوں کو  
ناقابل و لوثق قرار دیا جاسکتا ہے۔ تو تاریخ کے پورے ذخیرہ کا کیا  
حال ہوگا۔ اور تاریخ کی کتابیں جن کی بنیاد پر آج قومیں اپنے مستقبل  
کی تعمیر کر رہی ہیں، کیونکہ معتبر سمجھی جائیں گی۔ اور جب حدیث کا ایسا  
مستند اور معتبر ذخیرہ اعتماد کے قابل نہیں ہے، تو زمانہ قدیم کے متعلق جو  
حالات و واقعات بھی ہم تک پہنچے ہیں، کیا سب کے سب نذر آتش کر دینے  
کے لائق نہیں ہیں؟ اور جب شکوک و شبہات کی رسائی اتنی دور تک  
ہے، تو ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ بنو امیہ کی حکومت دنیا میں کبھی قائم  
نہیں ہوئی۔ عباسیوں کا وجود کسی زمانہ میں بھی نہ تھا۔ ہلا کو خاں کا  
افسانہ عورتوں نے بچوں کو ڈرانے کے لئے گھڑ لیا تھا۔ اس قسم کا دعویٰ  
کرنے والے کے مقابلے میں آپ کیا کہہ سکیں گے؟

حدیث کی جن کتابوں کو آپ ناقابل اعتماد سمجھتے ہیں، اول تو  
ان کتابوں کو ترتیب دینے والوں کی شخصیتیں انتہائی روشن ہیں  
اور دیانت و تقویٰ اور راستبازی کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار کی حامل  
ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہ چیز سوچی بھی نہیں جاسکتی کہ انہوں نے

فقد اکوتی بے بنیاد روایت وضع کر کے اپنی کتاب میں درج کر دی ہوگی۔ اور پھر ان حضرات محدثین نے ہر ایک روایت کی سند بھی اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ جو صاحب کتاب سے شروع ہوتی ہے، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتی ہے۔ اور درمیان کے تمام راویوں کا نام لکھ کر بعد میں اصل حدیث کے متن کو لکھا ہے۔ اور ان راویوں کے حالات کی تحقیق و تفتیش میں ہزاروں محدثین نے اپنی پوری پوری عمریں صرف کی ہیں اور انتہائی جانفشانی اور محنت سے سینکڑوں میل کا پیادہ سفر کر کے ان کے حالات کا پتہ لگا یا ہے۔ اور اسے قلمبند کیا ہے، اور یہ سراسر رساں اپنے کام میں ایسے مستعد اور اپنی جانچ کے اصولوں میں اتنے سخت تھے، کہ ان کی تنقید اور جرح سے بڑے بڑے ائمہ دین بھی نہ بچ سکے۔ حتیٰ کہ امام عظیم حضرت ابوحنیفہؒ پر بھی اکھنوں نے سخت سے سخت تنقید کی۔ اصحاب جرح و تعریل نے اپنے اصول پر ہر ایک راوی کو پرکھا ہے۔ خواہ وہ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے کتنے ہی اونچے مقام کا مالک کیوں نہ ہو۔ اکھنوں نے کسی کو معاف نہیں کیا۔ اس تنقید و جانچ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں ہزار انسانوں کی سوانح مرتب ہو گئی، جس کا نام حدیث کی اصطلاح میں اسماء الرجال ہے۔ آج بھی سینکڑوں کتابیں اس فن کی موجود ہیں۔ جن میں حدیث کے راویوں کا حال قلم بند ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے اصحاب کے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ

”نہ کوئی قوم دُنیا میں ایسی گذری نہ آج موجود ہے جس نے  
مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سے عظیم الشان فن ایجاد  
کیا ہو۔ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم  
ہو سکتا ہے۔“ (سیرۃ النبی جلد اول ص ۳۵)

محدثین رحمہم اللہ نے صرف حدیث کی کتابیں ہی نہیں لکھیں، بلکہ  
اسماء الرجال کے ایسے فن کو مرتب کر کے ہر ایک حدیث کے جانچنے کی  
کسوٹی بھی ہمارے ہاتھ میں دے دی ہے، کہ آج بھی ہر شخص ہر حدیث  
اور اس کے ہر ایک راوی کو جانچ سکتا ہے، کہ وہ حدیث یا فلاں  
راوی قوت و ضعف کے لحاظ سے کس مرتبہ پر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرات محدثین علیہم الرحمۃ کا پوری اُمت پر  
اتنا بڑا احسان ہے جس سے کبھی ایک مسلمان سبکدوش نہیں ہو سکتا۔  
اللہ تعالیٰ ہمیشہ اُن کی قبروں پر اپنی رحمت برساتے۔ کہ انھوں نے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد کے تمام حالات کا ایسا  
مستند ذخیرہ جمع کیا۔ جس کی نظیر دُنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔  
ان ہی محدثین کا طفیل ہے، کہ اُمتِ مسلمہ اپنے رسول کے دامن سے  
وابستہ ہے۔ اور رسول اللہ کا وہ اُسوہ جس کی پیروی ہم پر فرض کی گئی  
ہے۔ اسی حدیث کے ذریعہ ہم کو معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں رسول کی بعثت کے مقاصد اور مصالح بتلاتے  
ہوئے کہا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ  
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ  
آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ  
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ  
(القرآن سورہ جمعہ)

وہ اللہ جس نے امیین میں  
اپنے ہی میں سے رسول بنا کر  
بھیجا۔ تاکہ تلاوت آیات کرے  
لوگوں کا تزکیہ کرے۔ کتاب  
اور کلمتہ کی تعلیم دے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر محدثین کرام نے جمع ترتیب احادیث کی  
بیش بہا خدمت انجام نہ دی ہوتی، تو آج ہمارے پاس رسول اللہ  
صلعم کا طریق تزکیہ نفوس، تعلیم کتاب اور درس حکمت نہ ہوتا۔ اور  
بعثتِ رسل کے یہ مقاصد محض رسول کی زندگی تک محدود ہو کر رہ جاتے  
اور بعد میں آنے والی نسل ان سے محروم رہتی۔ باوجودیکہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے  
لئے رسول تھے۔ اسی طرح قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے  
بھی رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضراتِ محدثین کو جمع احادیث کے لئے  
مامور فرمایا، اور اس طرح قیامت تک کے لئے امت کا رشتہ اپنے  
رسول سے قائم کر دیا۔

سوال میں موجودہ کتب حدیث کے ناقابل اعتبار ہونے کی ایک وجہ  
یہ بھی بیان کی گئی ہے، کہ احادیث میں اختلاف ہے بعض صحیح ہیں بعض  
ضعیف، اس لئے موجودہ کتب حدیث لائق اعتبار نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ احادیث میں اختلاف ہے۔ بعض حدیثیں قوی ہیں

بعض ضعیف بھی، لیکن احادیث کے قوی اور ضعیف ہونے سے حدیث کی موجودہ کتابیں کیوں کر ناقابلِ اعتبار ہو جائیں گی۔ کتبِ حدیث کے مصنفین نے تو یہ کیا ہے، کہ ان کے معیار تحقیق پر جو حدیث صحیح اُتری اس کو صحیح، اور جو ضعیف نکلی اس کو ضعیف لکھ دیا ہے، یہ صورت حال تو کتاب کے مستند اور قابلِ اعتماد ہونے کی خود ایک کھلی شہادت ہے۔ کہ انھوں نے کسی حدیث کے سقم اور ضعف پر پردہ نہیں ڈالا، بلکہ صاف صاف لکھ دیا، کیا سائل کے خیال میں موجودہ کتبِ حدیث اُس وقت قابلِ اعتبار ہوتیں، کہ جب قوی اور ضعیف کی نشان دہی نہ کی جاتی اور سب کو ملا کر لکھ دیا جاتا۔

اب رہا احادیث میں باہم اختلاف اور تعارض کا معاملہ، تو یہ ایک مستقل موضوعِ بحث ہے۔ جس کا چھیڑنا اس وقت ضروری نہیں، لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا، کہ ہر حدیث اپنے متن اور رواۃ کے لحاظ سے دوسری حدیث سے علیحدہ ہے۔ اس لئے ہر ایک حدیث پر الگ الگ غور کرنا چاہئے۔ سب کو ایک ساتھ بلا کر دیکھنا اور چند حدیثوں کے باہمی اختلاف و تعارض یا بعض احادیث کے ضعف کی بنا پر پورے مجموعہ حدیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دینا نہ عقل کا فیصلہ ہے، نہ دیانت کا۔ اور جیسا کہ میں نے اوپر اشارۃً عرض کیا ہے، کہ محدثین کرام نے بڑی محنت اور جانفشانی سے ہر ایک حدیث کی الگ الگ جانچ کی ہے، جو دنیا کی تاریخ میں آج تک کسی واقعہ یا کسی شخص کے حالات کے متعلق نہیں کی گئی، اور

تنقیدِ رواۃ اور تنقیحِ احادیث کے وہ اصول مقرر کئے ہیں جن سے بہتر اصول انسانی عقل سوچ نہیں سکتی۔ جن کے ذریعہ دُور دُور کا دودھ پانی کا پانی معلوم ہو جاتا ہے۔ ان ہی اصولوں کے ذریعہ اختلافی احادیث میں راجح پہلو یا سانی معلوم ہو جاتا ہے، اور اسی تنقید و تنقیح کے ذریعہ انہوں نے احادیث کے ذخیرہ سے مرجوح اور ضعیف حدیثوں کو چھانٹ لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضراتِ مہینین کو اللہ تعالیٰ نے علمِ حدیث کی حفاظت ہی کے لئے پیدا کیا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری کلام کی حفاظت کے لئے غیر معمولی انتظامات کئے۔ اسی طرح اپنے آخری نبیؐ کے آخری نقوش و ہدایات کی صیانت کے لئے بھی مہینین کے ہاتھوں ایسا نظم فرمایا جو اپنی مثال آپ ہے۔  
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

خانقاہِ رحمانی

مونگیر

منت اللہ رحمانی

۱۶ نومبر ۱۹۵۰ء

